چھتہ پڑتا ہے تو مکھیاں اس کے گرد ہجوم رکھتی ہیں ہر شعبہ پر ڈنک مارتی ہیں خود مرتی رہتی ہیں۔ دوسروں کو کاٹتی رہتی ہیں لیکن ہر جدوجہد کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد کے بعد مکھیاں بھی غائب ہو جاتی ہیں لہٰذا خود نمائی کے جذبہ کے پیش نظر خدمت خلق کرنے والے نمک حراموں کو گالیاں دیتے دیتے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور جن کی خدمت کی جاتی ہے وہ خدمت کرنے والے کو اپنا محسن ماننے کے بجائے ہمیشہ ان کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ ”جی انھوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔ جتنا کیا اس سے زیادہ تو بے گار لے لی اور جی حضوری کرالی اور جناب جو کچھ انھوں نے غریبوں میں بانٹا ہے وہ ان کا مال کب تھا۔ وقف بیچ کھایا تھا بھائیوں کا حصہ ہڑپ کر لیا تھا۔ خود عیش کرتے تھے۔ مرغ زریں کا پلاؤ تو خود کھاتے تھے۔ چٹنی ہم غریبوں کو چٹا کر ہماری چٹنی بناتے تھے اب مر گئے تو خدا کو حساب دیں گے جس کا مال اور حق ہڑپ کیا ہے اس کی سزا پائیں گے اور ہم غریبوں کا جو دل دکھایا ہے اس کی مار الگ پڑے گی۔ یہ ہے ہوس شہرت کا دو طرفہ انجام اور سچ تو یہ ہے کہ

کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اگر تسکین ہو جائے تو ہوس ہوس نہیں اور اگر ہوس ہوس ہے تو بھونرے اور پھول دونوں کی لاشیں اپنے اپنے مقام اپنی بے کسی پر خود ہی روتی رہتی ہیں اور زمانہ ہنستا کھیلتا آگے بڑھتا رہتا ہے لہذا اے انسانوں نہ خوشامد پسند بنو نہ خوشامدی بنو بلکہ اگر غریب ہو تو خدا سے مانگو۔ امیر ہو تو غریبوں کی تلاش میں نکلو ان کی تکلیفیں دور کرو تاکہ خدا دنیا و آخرت میں تمھاری تکلیفیں دور کرے' عقیدہ خدا کے گرد جو دولت یا غربت گردش کرتی ہے وہ خود شناسی اور خدا شناسی کے باعث نہ مغرور ہوتی نہ عالم و غاصب۔ نہ گداگر ہوتی ہے نہ بدچلن و راہ زن۔ بلکہ شکر و صبر اس کی منزل۔ ہمت و ایثار اس کی راہ آخرت پر نظر۔ خدا سے راز و نیاز اور بندوں سے بے نیاز جو خدا سے لیا اس کے بندوں کو دیا اور سجدہ شکر ادا کیا۔ خدا سے مانگا۔ جو ملا اس پر راضی۔ جو نہیں ملا اس پر ناراض نہ شاکی، ملا تو بندوں کو دکھایا نہیں۔ نہیں ملا تو بندوں کو بتایا نہیں۔ دیا تو چھپا کر دیا لیا تو دل برسوں دعا دیتا رہا۔ زبان کھولی نہیں۔ شرم بیچی نہیں نیکی کو نیکی رکھا۔ ثواب کی تمنا کی۔ عذاب سے ڈرتے رہے۔ امیر غریب آپس میں گلے ملتے رہے مصافحہ کرتے رہے۔ دن دھاڑے حاجت روائیاں ہوتی رہیں مگر اس طرح چپ چپاتے کہ ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہ ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ دینے والے کو خود ہی نہیں معلوم ہو سکا کہ کیا دیا۔ کس کو دیا اور کبھی لینے والے کو پتہ نہیں چل سکا کہ دینے والا کون تھا اور کیا دے گیا۔ دینے والے اور لینے والے دونوں صرف خدا کو دیکھ رہے ہیں دونوں سجدہ شکر میں ہیں ایک خدا سے عمل قبول کر لینے کی بھیک مانگ رہا ہے دوسرا شکر ادا کر رہا ہے کہ مالک تو نے میری آبرو رکھ لی اے ستار العیوب جس کے ذریعہ تو نے میرا بھرم کھلنے نہیں دیا دنیا و آخرت میں اس کا بھرم رکھنا۔ یہ ہے مادیات کی وہ روحانی خوشگوار آمیزش، جو مقصد

مذہب ہے ۔ جنھوں نے مذہب کے اس مقصد کو اپنا لیا وہ ہر حال میں مطمئن رہے پریشانیاں پریشان نہیں کہ یہ کیوں پریشان نہیں ہوتے اور جنھوں نے مذہب کے اس مقصد کو نہیں اپنایا وہ ہر حال میں پریشان ہیں اور ہمیشہ پریشان رہیں گے کبھی مطمئن نہ ہوں گے صرف شیطان مطمئن ہے کہ دین مان کر بھی کبھی دیندار نہ ہوں گے ۔

یہ لوگ مذہب کو بھی خالص مادی بنانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں ۔ مذہب کے روحانی حصہ کو فنا کرکے صرف مادی حصّہ کو مذہب مانتے ہیں ۔ ان کا مادی مذہبی انداز فکر پوچھتا ہے کہ نماز سے اس دنیا میں کیا فائدہ ۔ روزہ کا مادی فائدہ بتلائے ۔ حج سے ہماری آج کی زندگی کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے ۔ زکوٰۃ ۔ فطرہ ۔ خمس واجب کرنے والے مذہب نے کیا یہ بھی سوچا تھا کہ مسلمان کبھی غیر اسلامی حکومت میں بھی رہیں گے جہاں ان کو خمس ۔ فطرہ ۔ زکوٰۃ شرعی ٹیکس کے علاوہ حکومت کا ٹیکس بھی دینا ہوگا ۔ مختصر یہ کہ مادی مذہبی انداز فکر یہ ہے کہ مذہب کا اس دنیا میں فائدہ تبلائے آخرت جب آئے گی تب آئے گی ۔ مذہب کی بات کرنا ہے تو آج کی بات کیجئے ۔ کل کی کل دیکھی جائے گی ۔ یہ نان اسٹاپ بولنے والے چپ ہوں تو مذہب اپنی بات کہے ۔ یہ اتنے تنگ مزاج ہوتے ہیں کہ اپنے سوال کا جواب صرف یس اور نو میں مانگتے ہیں تاکہ مذہب جب کہے کہ ہمارے ماننے کا فائدہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ہے تو مذہب کے اس یس کو نو کہہ کر زبان بندی کر دیں حالانکہ وہ اپنے ذہن کے پٹ بند رکھتے ہیں اور بس ۔ ناسمجھی پر بضد انسان صرف اپنا نقصان کرتا ہے وہ سمجھانے والے کا کیا بگاڑے گا اس کے باوجود جب ان سے گذارش کیجئے کہ پھر غریب مذہب کی جان چھوڑ دیجئے ۔ اپنے منکر مذہب ہونے کا اعلان کر دیجئے تو پینترا بدل کر گفتگو شروع کر دیتے ہیں

کہ جناب ہم مذہب کے منکر نہیں ہیں البتہ جو سمجھ میں نہیں آتا ہے اسے نہیں مانتے ہیں ورنہ ہم کیا نہیں کرتے خمس نہیں نکالتے ہیں مگر اس سے زیادہ خیرات کرتے ہیں ۔ زکوٰۃ فطرہ کے پابند نہیں ہیں مگر غریبوں کی بے دریغ مدد کرتے ہیں ۔ اپنی تعلیم میں حصہ نہیں لیتے مگر ہماری مدد سے نہ معلوم کتنے ڈاکٹر، انجینیر بن گئے ۔ مولوی صاحب خدا نیکی دیکھتا ہے آپ لوگ قاعدہ قانون دیکھتے ہیں کہ مالی سال کا دن معین کیا یا نہیں ۔ سال کے آخری دن جو بچت تھی اس کا حساب کر کے خمس نکالا یا نہیں اور جو نکالا اسے قواعد شرعیہ کے مطابق خرچ کیا یا نہیں ۔

ہم جناب جو سمجھ میں آجاتا ہے اس سے بھاگتے نہیں اور فضول چکروں میں پڑتے نہیں ۔ یعنی یہ حضرات احکام خدا کے بجائے اپنی سمجھ کے احکام کو دین مانتے ہیں ۔ اور من مانی کو مذہب قرار دینا چاہتے ہیں ۔ یہ آخرت پر بھروسہ نہیں رکھتے مگر نئے کام نئے مکان کی ابتدا کرتے وقت نذر دلائیں گے ۔ خیرات کریں گے تاکہ کاروبار میں نقصان نہ ہو ۔ مکان منحوس نہ ہو جائے ۔ کاروباری سال کے پہلے دن مولوی صاحب کو بلا کر حصول برکت کے لئے کھاتے پر بسم اللہ لکھوائیں گے ۔

یہ لوگ دنیا کے نفع کے علاوہ کسی نفع کے نہ قائل ہیں نہ خواہش مند لہٰذا دنیاوی نقصان سے بچنے کے لئے دین کو بھی ماننے پر تیار ہو جاتے ہیں ۔ یہ واجب حق نہیں دیتے تو سنت صدقہ اور مستحب کار خیر کیا کریں گے البتہ جب نقصان ہو جاتا ہے تو اس کو خدا کا حصہ قرار دیتے ہیں ۔ مثلاً گلاس ٹوٹ گیا ۔ سامان کھو گیا ۔ مال چوری ہو گیا تو یہ کہہ کر صبر کر لیتے ہیں اور دوسرے کو تسلی دیتے ہیں چلو صدقہ نکل گیا ۔ حالانکہ صدقہ وہ ہے جو نکالا جائے نہ کہ جو نقصان ہو جائے اسے مری بچھیا برہمن کے نام کے اصول پر صدقہ دیدیا جائے ۔

یہ بغیر مادی فائدہ کے اللہ کو خوش کرنے کے لئے کچھ دینا جانتے ہی نہیں ۔ اگر ان کے پاس چندہ لینے جاؤ تو ان کا جواب ہوگا جناب آج ہی پچاس ہزار کے نقصان کی خبر آئی ہے اللہ نے اپنے حق سے زیادہ اپنا حصہ لے لیا اب آپ کو اس کی راہ میں کیا دیں ۔ ان مادہ پرست اقرار دین کرنے والوں سے وہ مادہ پرست بہتر ہیں جو منکر دین ہیں ۔ کم از کم ان کی روش ان کے انکار سے ہم آہنگ تو ہے ۔ افسوس تو ان بے چاروں پر ہے جس کے قول و فعل میں تضاد ہے ۔ جو لاعلمی کو علم سمجھ بیٹھتے ہیں جو دین کو سمجھنا نہیں چاہتے اور اعتراض کرنے کو دین ماننے کے منافی نہیں سمجھتے یہ خواہشات کی دلدل میں دھنسے ہیں اور نکلنا نہیں چاہتے یہ دنیاوی نفع ہی کو ثواب سمجھتے ہیں اور دنیاوی نقصان ہی کو صدقہ سمجھتے ہیں یعنی نزول بلا کو رد بلا سمجھتے ہیں ۔ وارننگ کو انشورنس سمجھتے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے اگر کہا جائے کہ جس تختہ پر سولی دی جائے گی وہ سونے کا ہوگا جس جس زنجیر میں لٹکائے جاؤ گے وہ کئی من سونے کی ہوگی ۔ اور یہ سب سونا سولی کے بعد تمہاری ملکیت ہوگا تو ان کی آوازیں بلند ہوں گی پہلے سولی ہم کو دو ۔ اور لائن لگ جائے گی سولی کے عاشقوں کی ۔ سولی کے لئے بھی گھپلے بازی سے باز نہیں آئیں گے ۔ آپ اس مثال کو صرف مثال نہ سمجھیں بلکہ عاشقان دنیا زرین اور سلکن زندگی کے لئے عذاب کی سولی کے لئے لائن لگائے کھڑے ہیں ۔

اگر ان لوگوں سے کہا جائے تم بلاؤں میں گھرے ہو ۔ مال حرام ۔ غصب حقوق ظلم ۔ ایذا رسانی ۔ والدین ۔ اعزا ۔ احباب ۔ مومنین ۔ امام ۔ نبیؐ اور خدا کی حق تلفی کے باعث آگ ہر طرف سے تمہاری طرف بڑھ رہی ہے ۔ اپنے کو بچاؤ ۔ تو یہ سب سے بڑا صدقہ ہے ۔ ادائگی حقوق مقبول صدقے ہیں اور

صدقہ بلا کو دور کرتا ہے تو یہ لوگ آپ کو یا گونگے بہرے دکھائی دیں گے یا پھر حملہ آور ہو جائیں گے سمجھانے والا ڈھیلا مار نہیں سکتا ۔ یہ چمکارنے پر قابو میں آ نہیں سکتے مومن دنیاوی نقصان ۔ دنیاوی ناکامی ۔ بیماری ۔ محرومی وغیرہ کے ذریعہ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ بلا قریب ہے صدقہ و عمل صالح و صحت مند ایمان کے ذریعہ بلا کو دور کرو ۔ مگر یہ دنیا کے متوالے دین کے ماننے والے نقصان کے بعد خدا سے اور دور ہو جاتے ہیں اور یہ کہہ کر سو جاتے ہیں چلو صدقہ نکل گیا ۔ بلا دور ہو گئی اور نہیں جانتے کہ یہ شیطان کی لوریوں میں سے ایک لوری ہے ۔

نبیؐ و امامؑ اور فقیہ کا فرق

جہالت سے بڑھ کر کوئی خرابی کوئی عیب ۔ کوئی نقص نہیں ہے ۔ کریلا اس وقت نیم پر چڑھ جاتا ہے جب ہم اپنی جہالت کو علم سمجھنے لگتے ہیں ۔ جہالت کے ہاتھوں بے شمار حماقتی لطیفے ظہور پذیر ہوئے ہیں جن پر صاحبان عقل ہمیشہ ہنستے رہے ہیں مگر بیچارہ جاہل اپنی ہنسی بھی اڑواتا ہے ۔ اور ہنسی کو داد و ثنا و صفت بھی سمجھتا رہتا ہے ۔ مشاعروں میں تقریری مقابلوں میں ہوٹنگ کو بخیال خود صاحبان کمال تعریف ہی سمجھتے ہیں اور اپنی جاہلانہ روش پر جھومتے رہتے ہیں ۔ پہلے ناواقفیت کے چند مضحک نمونہ سن لیں ۔ دو بڈھی بڈھے اپنی پچاس سالہ پرانی شادی کے تذکرہ کو زندہ کر رہے تھے ۔ بڈھے نے کہا ہماری شادی میں بہت خرچ ہوا تھا ۔ میرے خیال میں سو روپیہ خرچ ہو گئے تھے ۔ بڈھی نے کہا ہٹو تم کو کبھی عقل نہیں آئے گی ۔ سو نہیں بلکہ ساٹھ روپیہ خرچ ہوئے تھے ۔ بڈھی کو سو اور ساٹھ کا فرق نہیں معلوم تھا ۔ اس کو صرف آواز اور صوتیت کے سہارے سو کم معلوم ہوئے کیونکہ سو کا لفظ زبان سے ہلکے انداز میں ادا ہو جاتا ہے اور ساٹھ میں ٹ اور ھ پر زور دے کر بولنے سے ساٹھ کا لفظ بڈھی کو سو سے زیادہ معلوم ہوئے ۔ بڈھا بھی سو اور ساٹھ کے فرق سے بے خبر تھا چنانچہ اپنی عالمہ بڈھی کے سامنے سرنگوں ہو گیا ۔

اسی طرح ایک گاؤں کے باشندے کی نظر میں تھانیدار سے عظیم

کوئی مخلوق ہی نہ تھی۔ کیونکہ پورا گاؤں اس کے نام سے لرزتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک کمشنر کو بوقت ملاقات دعا دیدی کہ خدا آپ کو تھانیدار کردے۔ سب ان کا منہ دیکھ رہے تھے اور وہ خوش تھے کہ ہم نے اتنی اونچی دعا دیدی کہ لوگ حیرت زدہ ہیں۔

اس سے اونچی سنیئے۔

چند جاہلوں کے درمیان خدا کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک نے اپنا تصور پیش کیا۔ کہ خدا کے دونوں طرف ایک ایک گڑ کی بھیلی رکھی ہو گی جب چاہتا ہوگا ادھر سے کھاتا ہوگا۔ جب چاہتا ہوگا اُدھر سے کھاتا ہوگا (معاذ باللہ)

دوسرا بولا۔ خدا گڑ کھائے گا جو منہ میں چپک جاتا ہے۔ نہیں وہ تو محمل کھاتا ہوگا (نعوذ باللہ)

آپ ان جہلات پر جتنا بھی ہنسیں وہ کم ہے مگر جن کے یہ شاہکار ہیں وہ ان پر نازاں تھے۔ اور کوئی ان کے ناز اور غرور کو کم نہیں کر سکا۔

اور سنئے ایک حکیم نے اپنے مریض کی بد پرہیزی کی گرفت کی کہ تم نے سنگترہ کھائے ہیں اسی لئے کھانسی آرہی ہے اور تم میری دوا کو نقصان پہنچانے کا ناحق ملزم قرار دے رہے ہو۔ بات سچی تھی مریض نے اقرار کر لیا۔ بے عقل جاہل شاگرد نے پوچھا کہ کیسے پتہ لگ گیا کہ مریض نے سنگترہ کھائے تھے حکیم نے کہا بھائی کوئی خاص بات نہ تھی۔ اس کے تکیہ کے نیچے سنگترہ کے چھلکے تھے۔

شاگرد حکیم صاحب کے مرنے کے بعد حکیم ہو گئے۔ مریض نے شکایت کی دوا نے نقصان کیا ہے فوراً ان جاہل صاحب نے جھانکا کہ تکیہ کے نیچے کیا ہے۔ نمدہ بچھا دیکھا۔ فرمایا تم نے نمدہ کھایا ہے۔ لوگ ہنستے رہے مگر جاہل اپنی جہالت کی اکڑفوں میں رہا۔

اسی طرح ایک شخص اپنے اونٹ کو ایک حکیم کے پاس لایا کہ یہ تربوز کے کھیت میں چر رہا تھا کہ ایک دم سے چیخا ۔ میں دوڑ کر پہنچا تو اس کی گردن پھول گئی ہے سانس میں دقت ہے ۔ اونٹ مرنے کے قریب ہے ۔ آپ جلد اس کا علاج کریں حکیم نے اونٹ کو زمین پر لٹانے کا حکم دیا اور اس کی گردن کے پھولے ہوئے حصّے پر مونگری مارنا شروع کی ہر مونگری پر ورم کم ہوتا گیا اور منٹ بھر میں اونٹ اچھا ہو گیا ۔ کیونکہ ایک تربوز اس کے گلے میں پھنس گیا تھا ۔ مونگری نے تربوز توڑ دیا ۔ جاہل شاگرد کو ایک گھینگے کا مریض ملا ۔ انھوں نے مریض کے گلے کو مونگری سے نوازنا شروع کر دیا ۔ مریض رخصت ہو گیا ۔ مرض باقی رہا ۔

ایسے ہی بے شمار پر حماقت لطیفے ہیں جو جہالت کے ہاتھوں پیدا ہوئے ہیں ۔ یہ مضمون بھی ایک پر ناواقفیت تحریر کا نتیجہ ہے ۔ عبارت ملاحظہ ہو ۔

„شیعہ مذہب کے فقیہ اعظم امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں ۔ ان کے بعد ہم کو کسی فقیہ کی ضرورت نہیں ہے ۔"

اس عبارت کو پڑھ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ مومنین کی خدمت میں اس حقیقت کو پیش کیا جائے کہ نبی و امامؑ اور فقیہ میں کیا فرق ہوتا ہے ۔ جس طرح کوئی فقیہ کبھی نبیؐ یا امامؑ نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح نبیؐ و امامؑ کو فقیہ سمجھنا درجہ نبوت و امامت کی توہین ہے ۔

غدیری تقاضے

حقیقت خود حقیقت ہوتی ہے ۔ چاہے مانی جائے ۔ چاہے نہ مانی جائے ۔ اسی طرح اگر کوئی بے حقیقت بات مان بھی لی جائے تب بھی وہ حقیقت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی ۔ مثلاً خدا ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے اگر ساری دنیا اس حقیقت کی منکر ہو جائے تب بھی اس کی واقعیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوگا ۔ بلکہ جو معترف ہوگا ۔ اس کا اعتراف اس کو سچا بنا دے گا اور جو منکر ہوگا اس کا انکار اس کو غلط اور باطل بنا دے ۔ یہی حال یہی اصول نتیجہ ہر حقیقت کے لئے ہے ۔ اس میں کوئی فرق نہ ہوگا ۔ معاملات چاہے دین کے ہوں یا دنیا کے ہوں ۔ باپ بہر حال باپ ہے نہ ماننے والا بیٹا نالائق کہلائے گا اور ماننے والا لائق قرار پائے گا۔

باپ کو باپ ماننے نہ ماننے کا کوئی اثر باپ پر نہیں پڑے گا کچھ اثر پڑے گا وہ بیٹے ہی پر پڑے گا یہ بات بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقت جاننے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں ورنہ در حقیقت ثبوت کو خود حقیقت پیدا کرتی ہے ۔ خود ثبوت میں حقیقت کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے یہ بات کوئی دقیق بات بھی نہیں ہے ۔ مثلا دھواں اس بات کا ثبوت ہے کہ آگ سلگ رہی ہے اور آگ سلک رہی ہے یہ حقیقت ہے ۔ آگ نے دھویں کو پیدا کیا ہے ۔ دھویں نے آگ کو نہیں پیدا کیا ہے ۔ ہم کو آگ کے وجود کا علم دھویں کے

ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ اس بات کی طرف توجہ دلانا اس لئے ضروری تھا کیونکہ منکر مزاج اور ضدی طبیعتیں ثبوت کی رٹ لگائی ہیں اور ثبوت نہیں بلا کی ہٹ پر اترائی ہیں۔ لیکن کسی کو اگر کسی بات کا ثبوت نہیں ملا تب بھی اس کو حق سے انکار نہیں ہے۔ صرف وہ اقرار سے اپنے کو آزاد رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ثابت نہ ہونے سے نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ عدم ثبوت بہرحال ثبوت عدم نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے میدان میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں اور حاجیوں کے درمیان مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس اعلان کو زبان حال سے بھی پیش کیا۔ اپنے اقوال سے بھی پیش کیا اور سب کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا بھی تاکہ ہر شخص فردا فردا آپ کے امیر المومنینؑ ہونے کا اقرار کرے اور سب نے بلا استثنا شخصے یہ اقرار کیا بھی۔ اصحاب۔ مہاجرین انصار۔ ازواج پیغمبر غرضکہ کوئی باقی نہ رہا جس نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ارشاد پیغمبرؐ اور حکم خدا کے مطابق اپنا امیر نہ مانا ہو۔

ائمہ معصومین علیہ السلام نے لفظ امیر المومنین کو ذات علیؑ ابن ابی طالبؑ علیہ السلام کے لئے مخصوص کر دیا اور ممانعت کر دی کہ کسی امامؑ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے تاکہ شک و شبہ۔ مجاز اور مبالغہ وغیرہ کی تمام راہیں بند رہیں۔ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کا جانشین پیغمبر ہونا۔ امام ہونا وصی پیغمبر ہونا۔ ولی خدا ہونا۔ حجۃ خدا ہونا۔ اسلام اور مسلمانوں کا دینی و دنیاوی پیشوا اور سربراہ ہونا اتنی ہی سچی اور ثابت حقیقت ہے جتنا سچا یہ

واقعہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حالات نے آپ کو پیشوائی اور سربراہی کے حق سے محروم رکھا تفسیر و حدیث و تاریخ کی کتابیں اس تذکرہ سے بھری پڑی ہیں معلوم کرنا اور اعتراف کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور ہماری ضرورت بھی ہے۔ یہاں ثبوت پیش کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ تاریخ احمدی سے لے کر الغدیر تک ہزاروں کتابیں اس موضوع پر ہر زبان میں موجود ہیں۔ جن کو نہیں معلوم ہے وہ معلوم کریں اور مانیں۔ البتہ جن کو غدیری اعلان معلوم ہے نہ صرف معلوم ہے بلکہ یہ اعلان ہر طرح تسلیم ہے ان کا فرض ہے کہ سوچیں کہ خدا نے ختم نبوت کے بعد سلسلہ امامت کو کیوں جاری کیا۔ حضرت علیؑ کو نبیؐ کا جانشین کیوں بنایا۔ اور آپ کے بعد گیارہ امام کیوں مقرر کئے۔ بارہویں کے ذریعہ امامت کو آج بھی کیوں زندہ اور باقی رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی بہت سے سوالات ہیں جن کی بنیادی وجہ کو جاننا ہمارا فریضہ ہے۔

وجہ صرف ایک ہے بے شک دین کامل ہے۔ لیکن قیامت تک تشریح قانون کی ضرورت باقی ہے اور مکمل قانون بھی بے فائدہ ہے اگر وہ نافذ نہ ہوسکے افراد اور سوسائٹی کی زندگی پر اگر قانون کی گرفت مکمل طور پر نہیں ہے تو قانون و دین کا فائدہ بھی پورے طور پر حاصل نہ ہوگا۔ لہذا قیامت تک سلسلہ امامت کو اس لئے باقی رکھا گیا تاکہ قانون کی صحیح تشریح ہوتی رہے۔ اور اس کو نافذ بھی کیا جائے۔ ظہور امام مہدی علیہ السلام کا دن نفاذ قانون کی تکمیل کا دن ہوگا حکومتیں طاقت کے ذریعہ قانون نافذ کرتی ہیں اور دین تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ قانون کو نافذ کرتا ہے زمانہ غیبت عہد مہلت و فرصت ہے تاکہ تبلیغ و تعلیم کے حدود مکمل ہوجائیں تبلیغ و تعلیم کے حدود کی تکمیل کو ہی اتمام حجۃ کہا جاتا ہے۔ حضورؐ کو اسلام پیش کئے ہوئے ۱۴ سو سال سے زیادہ مدت ہوچکی ہے لیکن اب

بھی قانون الٰہی بہت کم نافذ ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دین اور قانون کا نفاذ طاقت کے ذریعہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ تعلیم و تبلیغ کو نفاذ کا ذریعہ مقرر و معین کیا گیا۔ لہٰذا جو لوگ غدیر کی بات نہیں مانتے۔ ان سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ البتہ جو غدیر کے اعلان کو دل و جان سے مانتے ہیں۔ ان سے سوال ہے کہ وہ اسلام کے قانون کو اپنی زندگی میں۔ اپنی فیملی اور خاندان کی زندگی میں۔ اپنی سوسائٹی اور قوم کی زندگی میں کیوں نافذ نہیں کرتے۔ کیا پابند دین ہونے کے لئے خدانخواستہ ان کو بھی کسی آسمانی عذاب کا انتظار ہے۔ یا معاذ اللہ ان کو بھی بارھویں امام کی تلوار کا انتظار ہے۔ اگر بغرض ایسی کوئی بات ہے تو یقیناً ان کے دل نے غدیر کے اعلان کو نہیں مانا ہے۔ ورنہ غدیری اعلان کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم نہ صرف اپنی زندگی میں۔ اپنے خاندان کی زندگی میں۔ اپنی قوم اور سوسائٹی کی زندگی میں اسلامی قوانین کو نافذ کریں بلکہ غیروں کو اپنائیں غدیری حلقہ کی توسیع میں حصہ لیں اور دوسروں میں بھی غدیری اسلام کو نافذ اور جاری و ساری کریں۔ لیکن بے نمازی ہم ہیں۔ بے روزہ دار ہم ہیں۔ زکوٰۃ و خمس کو ہضم کر جانے والے ہم ہیں۔ گھر میں اپنے رفقا حیات کو ستانے والے ہم۔ ماں باپ کو دل تنگ کرنے والے ہم ہیں۔ مومنین کو دھمکانے والے ہم ہیں۔ مسلمان نہ ہماری زبان سے محفوظ ہیں نہ ہمارے ہاتھوں سے محفوظ ہیں اس صورتحال کے پیش نظر تو ہم معمولی مسلمان بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ غدیری مسلمان ہونا لہٰذا غدیر کو ماننے والی قوم سے اعلان غدیر تقاضہ کر رہا ہے کہ دین کو ہر زندگی میں نافذ کرو۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم کو غدیر کے منکروں کے صف میں تمھارا عمل کھڑا کر دے۔ اور دوزخ میں کھڑے ہونے سے بدتر ہے غدیر کے منکروں کی صف میں کھڑا ہونا۔

فاطمہؑ یعنی ایک فیصلہ کن ذات

خاتون جنت جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی ولادت ۲۰؍ جمادی الاخری ۵ھ بعثت میں ہوئی۔ یعنی ہجری سنہ شروع ہونے سے ۸ سال قبل۔ ایک روایت کی بنا پر آپ کی شہادت بھی اسی مہینہ کی ۳ تاریخ کو ہوئی ہے۔ اس طرح اگر جمادی الاخری کو شاہزادی کا مہینہ اور رجب کو مولیٰ کا مہینہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا شعبان کو حضورؐ اور رمضان کو خدا نے اپنا مہینہ کہا ہے۔ اس طرح ایک تسلسل قائم ہو جاتا ہے۔ روایتوں کا اختلاف ختم نہیں ہو سکتا۔ البتہ کوئی محقق اپنا قول فیصل دے کر کسی روایت کی صحیح اور کسی روایت کو غلط قرار دے سکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی زیر بحث ہے کہ آپؑ حضورؐ کی اکلوتی بیٹی تھیں یا آپ کی تین بہنیں اور تھیں جن کے نام زینبؑ۔ ام کلثومؑ اور رقیہ ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ تینوں لڑکیاں حضورؐ کے گھر میں پلی بڑھی اور پروان چڑھی تھیں اور ان کے غم نے حضورؐ کو بہت مغموم کیا تھا۔ لیکن یہ حضورؐ کی بیٹیاں تھیں یا جناب خدیجہ کی لڑکیاں تھیں یا جناب خولہ کی لڑکیاں اور جناب خدیجہ کی بھانجیاں تھیں۔ یہ بات اختلافی ہے اور اختلافی رہے گی۔ لیکن اس سلسلہ کا سب سے جامع اور مانع اور مکمل فقرہ مولانا عینی شاہ نظامی کا ہے جو مصور فطرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے شاگرد تھے اور حیدر آباد میں مقیم تھے۔ انھوں نے اس موضوع پر لکھا تھا کہ رسولؐ کی بیٹی ہونا اور ہے اور فاطمہ زہراؑ ہونا اور

ہے ۔ آپ کے کمالات نے آپ کو فاطمہ زہرؑا بنایا ہے ۔ صرف رسولؐ کی بیٹی ہونے نے آپ کو فاطمہ زہرؑا نہیں بنایا ۔ کسی نے اسی وزن اور قافیہ میں یہ بھی اچھی بات کہی ہے کہ شریکِ حیات ہونا اور ہے اور رفیق مقصد ہونا اور ہے ۔ خدیجہ صرف شریکِ حیات پیغمبر نہ تھیں بلکہ رفیق مقصد نبوت بھی تھیں ۔ شاہزادی کے سلسلہ میں کسی مختصر مضمون میں کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے مگر اتنا ذکر تو کم از کم کرنا ہی ہے کہ آپ جب تشریف لے جاتی تھیں تو حضورؐ آپ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے ۔ حضورؐ کا یہ قیام احترام تھا ۔ اہتمام تھا ۔ محبت تھا ۔ اعزاز تھا یا سب کچھ تھا ۔ اسے حضورؐ ہی بہتر جانتے ہیں لیکن ہم پر حضورؐ کی تاسی لازم ہے لہذا شاہزادی کا احترام کرنا ۔ آپ کی ذات کے لئے اہتمام کرنا ۔ آپ کے کردار سے محبت کرنا ۔ آپ کی تعظیم کرنا ہم مسلمانوں کا فرض ہے ۔

حضورؐ کا ایک خصوصی طرز عمل اور بھی تھا کہ آپ جب سفر پر روانہ ہوتے تھے ۔ تو سب سے رخصت ہوتے ہوتے سب کے آخر میں اپنی بیٹی سے ملتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے باپ بیٹی ہی کا چہرہ دیکھتا تھا ۔

آپ کے بارے میں حضورؐ کی بے شمار حدیثیں کتب حدیث میں موجود ہیں خصوصاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا فاطمہؑ میرا ایک حصّہ ہے ۔ جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا ۔ اس حدیث اور دوسری حدیثوں کی روشنی میں آپ کی ذات گرامی ایک فیصلہ کن ، ذات ہے ۔ آپ جس پر ناراض اور غضبناک ہو جائیں اس کا شمار مغضوب علیہم میں ہو جائے گا جبکہ ہم ہر نماز میں مغضوب علیہم اور ضالین سے بچنے

کی دعا مانگتے ہیں ۔

اگلی پچھلی شخصیتوں کے حق باطل ہونے کے لئے یہ دیکھنا کافی ہوگا کہ شاہزادی اس سے ناراض ہیں یا نہیں جس طرح جناب ابوذرؓ کے لئے حضور نے فرمایا کہ زمین کے اوپر آسمان کے نیچے ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے ۔ اس حدیث نے جناب ابوذرؓ کی شخصیت کو فیصلہ کن بنا دیا ہے کدھر حق ہے کدھر باطل ہے اس کی ایک پہچان یہ ہوگی کہ دیکھا جائے کہ ابوذرؓ کدھر ہیں ۔

کون نہیں جانتا کہ جناب ابوذرؓ کے لئے ہر وہ شخص ناقابل برداشت تھا جو اسلام کے احکام کا پابند نہ ہو اور یہ بھی سب جانتے ہیں شاہزادی فاطمہؑ بھی اس سے بیزار ہو جاتی تھیں جو دین کے احکام کے سامنے سر نہ جھکائے بلکہ اپنے مقصد کے لئے دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرے ۔

لہذا اگر ہم غضب خدا ۔ غضب نبیؐ ۔ غضب فاطمہؑ غضب امامؑ غضب ابوذرؓ سے بچنا چاہتے ہیں تو ہم کو ہر حکم دین کی تعمیل کرنا ہوگی اور دین میں طرح طرح کی نئی باتیں پیدا کرنے سے گریز کرنا ہوگا اور ان لوگوں سے اپنے کو الگ رکھنا ہوگا جو دین میں یا مومنین میں رخنہ ڈالیں ۔

ہر حال میں خدا کے مطیع رہو
امام حسن علیہ السلام کا پیغام
غلاموں کے نام

پہلے امام حضرت علی علیہ السلام خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے جدھر منہ کرکے نماز پڑھی جاتی ہے اور دوسرے امام حضرت حسن علیہ السلام ۱۵ ر رمضان کو پیدا ہوئے جس کا روزہ واجب ہے۔ فروع دین میں اول نماز ہے جس کی طرف پہلے امامؑ کی ولادت اور دوسرے روزہ ہے جس کی طرف دوسرے امام کی ولادت رہبری کرتی ہے۔ حدیث میں دین کے دو حصے بیان ہوئے ہیں۔ آدھے کا نام صبر ہے اور آدھے کا نام شکر ہے۔

امام حسنؑ کی زندگی دین کے دونوں حصّوں کی ایسی یکجا تشریح کرتی ہے کہ آدمی ششدر اور مبہوت رہ جائے کیونکہ حضرت کو غیر معمولی صبر بھی کرنا پڑا اور غیر معمولی شکر بھی آپ نے ان مصائب میں انجام دیا۔ تفسیر میں ذکر ہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ مصیبت میں صبر کرنا۔ خدا کی اطاعت کرنے میں خواہشات و حالات سے مقابلہ کرتے ہوئے صبر کرنا اور حرام سے بچنے کی کوشش میں اندرونی جذبات اور بیرونی حالات سے جنگ کرتے ہوئے صبر کرنا۔ سب سے کم درجہ ہے مصیبت میں صبر کرنے کا اور سب سے بڑا درجہ ہے حرام سے بچنے میں صبر کرنے کا ہے۔

امام معصوم ہوتے ہیں لیکن عصمت نہ پیدائشی ہوتی ہے جیسی کہ ملائکہ میں ہوتی ہے نہ مجبوراً معصوم ہوتا ہے بلکہ اپنے کامل علم و مکمل عرفان کے باعث اپنے پورے ارادہ و اختیار کو صرف کرتے ہوئے زندگی کی پہلی سانس سے لے کر آخری سانس تک معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ سرزد نہ ہو سکنے کا ایسا اعتماد ہوتا ہے کہ عالم الغیب خدا ان کے معصوم ہونے کی خبر دیتا ہے اور ان کے معصوم ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ ان کی عصمت ہی کی بنیاد پر ہدایت کی عمارت تعمیر ہوتی ہے ان حقائق کے پیش نظر ہر شخص پورے طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ ایک معصوم کو زندگی بھر جہاد کرنا پڑتا ہے۔ ایک انسان ہونے کے باوجود جذبات واحساسات خواہشات تعلقات۔ حالات۔ اچھے برے لوگوں کے برتاؤ مصائب۔ ایذا رسانیاں غرض کہ دنیا کی کوئی چیز اس کے ستون عصمت میں معمولی سے معمولی جنبش بھی پیدا نہیں کر سکتی۔

جس معصوم کو جیسے سخت اذیت ناک حالات کا سامنا کرنا ہوگا اتنا ہی سخت اس کا امتحان ہوگا۔ اتنا ہی سخت اس کا جہاد ہوگا۔ اتنی ہی عظیم اس کی قربانی ہوگی۔ اتنی ہی بلند اس کی منزلت ہوگی۔ بے شک امام حسین علیہ السلام کی شہادت بے مثال اور بے نظیر ہے لیکن حساس انسان محسوس کر سکتا ہے کہ امامؑ کے لیے لمحات جہاد آخر اور شہادت سخت ترین ہونے کے باوجود اتنے سخت نہ تھے جتنے سخت لمحات وہ تھے جو آپ نے اپنے جہاد و شہادت کے قبل عاشورہ کے دن اپنے اصحاب و اعزا و اولاد کی شہادت کے مواقع پر گذارے۔ اس لیے کہ دشمن سے مقابلہ کرنا اور شہید ہو جانا مشکل ہو کر بھی آسان تھا مگر اپنے چہیتوں لاڈلوں اور دل کے ٹکڑوں کو رخصت کرنا اور ان کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھنا ان کی لاشوں کا اٹھانا۔ اکبرؑ کے کلیجہ سے اور اصغرؑ کے گلے سے نیزہ اور تیر کا نکالنا کہیں

زیادہ مشکل کام تھا۔ ایسے میں خون جگر پینا۔ صبر کرنا۔ اپنی شہادت سے سخت امتحان تھا۔

اسی اصول پر معرکۂ شہادت میں کام آجانے والوں سے زیادہ سخت امتحان تھا۔ اسیران اہلبیت علیہم السلام کا جنھوں نے زخم زبان برداشت کئے اور روحانی اذیتوں کی سخت منزل سے گذرے۔

جناب ابراہیمؑ کی قربانی کی اہمیت بھی ختم ہو جاتی اگر اپنے ہاتھ سے اپنے گلے پر چھری پھیرنا ہوتی۔ اصل قربانی اپنے ہاتھ سے اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنا اور صبر کرنا تھا۔

امام حسن علیہ السلام نے صلح کرنے کے بعد نادان دوستوں اور سفاک دشمنوں کے ہاتھوں جو اذیتیں برداشت کی ہیں اور جس طرح ان حالات پر صبر فرمایا ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

سوچئے ہادی اعظم کو (معاذ اللہ) ہذیان کا الزام دیا جائے اور کلِ ایمان علیؑ کو (معاذ اللہ) کافر کہا جائے اور امام حسن علیہ السلام کو (معاذ اللہ) مذل المومنین (اے مومنین کو ذلیل کر دینے والے) کہہ کر سلام کہا جائے اور یہ حضرات صبر کریں۔ آج صدیوں کے بعد سننے والے بے چین ہو جاتے ہیں تو صاحب معاملہ پر کیا گذری ہوگی۔ اس سلسلہ میں اتنا اور یاد رکھنا ہوگا کہ حضورؐ کو مرض الموت میں الزام دیا گیا کہ امیر المومنین علیہ السلام کو زندگی کے آخری دور میں الزام دیا گیا اور امام حسن علیہ السلام کو آپ کے دس سالہ عہد امامت کے پہلے سال یہ الزام دیا گیا اور آج تک الزام دیا جاتا ہے۔ آپ نے اسی صبر میں عمر گذاری۔ زہر کی تکلیف عظیم ہو کر بہت کم تھی اس زہر کے مقابلہ میں جو دس سال تک ماحول میں گھلا رہا اور امام اسی میں نہ صرف سانس لیتے رہے

بلکہ ہادیانہ فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر ان مصائب پر شکر بھی ادا فرماتے رہے۔ امام حسن علیہ السلام کی زندگی دین کے دونوں اجزا صبر و شکر کی مکمل تفسیر ہے۔ امام اپنا کام کر گئے اب ہمارا فریضہ ہے کہ نعمت و مصیبت میں خدا کی اطاعت کریں اور اپنے کو گناہوں سے بچائیں۔ چاہے دماغ کو ایسی جراحتیں پہنچیں کہ دل کے سارے تار جھنجھنا اٹھیں مگر ہم ہر حال میں اپنے جذبات پر قابو رکھیں اور خدا و نبیؐ و امامؑ کے احکام کے مطیع رہیں اور نافرمانی سے بچتے رہیں —— مگر ہم میں کئی طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک وہ ہیں جو نعمتوں میں خوشیوں میں تو احکام مانتے پر اس کا شکر ادا کرنے پر خوش رہتے ہیں۔ لیکن اگر نعمت مصیبت سے اور خوشی غم سے بدل جائے تو وہ بھی خدا کے لیے بدل جاتے ہیں اور اس قدر بد دل ہو جاتے ہیں کہ پھر حکم خدا ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مصیبت میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ نماز عبادت صدقہ خیرات۔ ترک گناہ وغیرہ میں اضافہ کرتے ہیں تاکہ مصیبت ٹل جائے اور مصیبت ٹل جانے کے بعد پھر وہ خدا کو بھول جاتے ہیں۔ عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں خیر۔ خیرات کے لئے تنگ دل اور غریب مومن کے لئے سنگ دل ہو جاتے ہیں۔

تیسری قسم سب سے بدتر ہے کہ وہ نعمت میں فرعون بن جاتے ہیں اور مصیبت میں معاذاللہ خدا تک کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ کسی حال میں ہوں مگر نافرمان کے نافرمان رہتے ہیں۔ البتہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جن کو اپنے ائمہؑ کی زندگی یاد رہتی ہے وہ مصیبت میں صبر کرتے ہیں۔ نعمت پر شکر کرتے ہیں اور وہ تو لعل شب چراغ ہیں جو مصیبت پر شکر کرتے ہیں۔

صلح حسنؑ کو سیاق و سباق تاریخ سے ملا کر سمجھئے

اگر جملہ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پڑھائے تو ہمیشہ مفہوم غلط ہو جائے گا۔ لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (نماز کے قریب نہ جاؤ) اس قرآنی فقرہ کا یہی مطلب قرار دیا جائے گا کہ نماز پڑھنا حرام ہے۔ گناہ ہے۔ حالانکہ یہ جملہ کو سیاق و سباق سے الگ کرنے کا گناہ ہے کیونکہ اس فقرہ کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے کہ وانتم سکاری یعنی جبکہ تم نشہ میں ہو۔

خدا نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے نہ کہ نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ لیکن سیانے۔ چالاک۔ عیّار۔ مناظرہ باز۔ جاہل عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ خدا نے قرآن مجید میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اور چونکہ عوام قرآن سے ناواقف ہیں لہذا کچھ لوگ اس کی بات صحیح مان لیتے ہیں اور کچھ لوگ مذبذب ہو جاتے ہیں کہ مانیں یا نہ مانیں اور کچھ لوگ دہشت زدہ ہو جاتے ہیں کہ ظالم نے قرآن مجید کی آیت نکال دی ہے اور ساری دنیا کے مسلمان نماز کو واجب و لازم و ضروری قرار دے رہے ہیں۔ ہائے اب کیا کریں۔

یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کسی امامؑ اور معصومؑ کی زندگی کو

تنہا۔ سلسلہ امامت وہدایت سے الگ کرکے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ہر امامؑ ومعصومؑ کی زندگی ایک سلسلہ ہدایت کی کڑی ہے جو نہ ہدایت کی تاریخ کے ماضی اور ماقبل سے الگ ہوسکتی ہے اور نہ اپنی تاریخ کے مستقبل اور مابعد سے الگ ہوسکتی ہے۔ امام حسن وامام حسین علیہم السلام دو الگ شخصیتیں نہیں ہیں۔ جن کی زندگی ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہو کہ یہ سوچا جائے کہ ایک نے جہاد کیا اور جان دیدی دوسرے نے معاذ اللہ جان چرائی اور صلح کرلی۔ ایک کو بہادری کی سند دیدی جائے اور دوسرے پر معاذ اللہ بزدلی کی تہمت لگادی جائے۔ بلکہ دونوں امامؑ ایک سلسلہ ہدایت کی کڑی ہیں دونوں نے اپنے اپنے عہد میں حالات کے پیش نظر اسلام کی حفاظت کی ہے اور دین کی تبلیغ کی ہے۔ یہی نہیں کہ دو اماموںؑ کو ایک دوسرے سے الگ کرکے پڑھنے والے ان کے بارے میں تضاد کردار کے شبہہ میں پڑ جاتے ہیں بلکہ ایک ہی زندگی کو اگر مقصد زندگی متعین کئے بغیر پڑھا جاتا ہے تو اسی ایک زندگی میں تضاد کردار نظر آنے لگتا ہے۔ رواجی معترض تو یہی کہتا ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام نے صلح کی تو امام حسین علیہ السلام نے صلح کیوں نہیں کی اور اگر امام حسین علیہ السلام نے جہاد کیا تو امام حسن علیہ السلام نے جہاد کیوں نہ کیا۔ دونوں نے امامؑ ہوکر الگ الگ اقدام کیوں کیا۔ لیکن سیاق وسباق سیرت سے بے خبر شخص تو حضورؐ پر معترض ہوجاتا ہے کہ مکہ کا صابر رسولؐ مدینہ کا جنگجو رسولؐ کیوں بن گیا۔ صبر کیا تھا تو دونوں جگہ صبر کرتے لڑے تھے تو دونوں جگہ لڑتے۔ بلکہ مولیٰ علیؑ کی زندگی میں تو معترض کو کئی اتار چڑھاؤ نظر آتے ہیں۔ عہد رسولؐ میں جہاد کرنے والا

علیؑ حتی کہ مکہ میں معالم کمسنی نبیؐ کو اذیت دینے والے بدتہذیب بچوں کی پتھروں سے دل کھول کر مرمت کرنے والا علیؑ بعد وفات رسولؐ بالکل صابر اور خاموش ہو جاتا ہے ۔ اور پھر ۲۵ سالہ خاموشی کے بعد وہ بھی شباب کے گذر جانے کے بعد ۔ پیری میں یہی علیؑ جمل وصفین ونہروان میں شمشیر زن وصف شکن نظر آتے ہیں معترض کو بار بار اعتراض کی جگہ نظر آتی ہے ۔ لڑنے تھے تو نبیؐ کے بعد گھر کیوں بیٹھ گئے ۔ گھر بیٹھ گئے تھے تو دوبارہ کیوں میدان میں اترے ۔

مختصر یہ کہ مقصد متعین کئے بغیر کسی کے حالات زندگی پڑھنے اور حالات کے سیاق وسباق نہ سمجھنے کے نتیجہ میں ایسی ہی مشکلیں پیدا ہوتی ہیں جن سے دوچار ذہن نہ صرف معترض بن جاتا ہے بلکہ مشکوک و منکر بھی بن جاتا ہے ۔ سلسلہ اعتراض وشکوک وانکار خدا تک پہنچتا ہے کہ جناب ابراہیم کو لاکھوں ٹن آگ میں خدا بچا لیتا ہے ۔ اور جناب موسی کا ہاتھ اور زبان دونوں فقط ایک انگارے سے جل جاتے ہیں ۔ آگ ایک ہے ۔ خدا ایک ہے ۔ دونوں اسی خدا کے نبیؑ ہیں مگر ایک جل جاتا ہے اور ایک بچ جاتا ہے ۔ معترض منہ کھولتا ہے کہ ایک خدا کے دوہرے کردار کیوں ہیں ۔ حالانکہ اگر مقصد معین کیا جائے اور واقعات کو مقصد سے مربوط کر کے دیکھا جائے تو نہ صرف اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جو کردار پہلے قابل اعتراض نظر آتے ہیں وہ شاہکار نظر آنے لگتے ہیں ۔

اب اعتراضات کے حل سنئے ۔ اللہ کو جناب ابراہیمؑ کو بھی بچانا تھا اور جناب موسیٰؑ کو بھی ۔ جناب ابراہیمؑ اسی وقت بچ سکتے تھے جب آگ گلزار ہو جائے ۔ لیکن اگر انگارہ جناب موسیٰؑ کے ہاتھ پر ٹھنڈا ہو جاتا

اور نہ جلاتا تو فرعون کو یقین ہو جاتا کہ جناب موسیٰؑ وہی غیر معمولی بچہ ہیں جو اس کی حکومت کو ختم کریں گے۔ لہذا قتل کر دیتا۔ حفاظت اسی میں تھی کہ ہاتھ جل جائے تاکہ فرعون مطمئن ہو جائے اور موسیٰؑ کی پرورش فرعون کے گھر ہوتی رہے یعنی فرعون شکن فرعون ہی کے گھر پلتا رہے۔

اسی طرح مکہ میں حضرتؐ نے جہاد نہیں فرمایا کیونکہ طاقت جہاد نہ تھی۔ بصورت جہاد حضورؐ اور آپ کے ساتھ مسلمان و اسلام سب شہید ہو جاتے۔ لیکن جب اسلام میں طاقت جہاد پیدا ہو گئی اور دشمن نے پھر بھی طاقت کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانا چاہا تو حضورؐ نے جنگ کر کے بتایا۔ ہم مذہب اور دباؤ کو دو الگ الگ چیزیں مانتے ہیں نہ دباؤ ڈالتے ہیں نہ دباؤ مانتے ہیں۔

حضرت علیؑ بھی عہد رسولؐ میں جہاد کرتے رہے کہ ہم دباؤ نہیں مانتے ہیں۔ لیکن جب آپ کو آپ کے حق حکومت سے محروم کر دیا گیا تو آپ کے خاموشی اختیار کی کہ ہم دباؤ نہیں ڈالتے ہیں۔ لیکن جب عوام نے اپنی خوشی اور مرضی سے آپ کے حق حکومت کو مان لیا اور آپ نے حکومت سے ہدایت کا کام لینا شروع کر دیا تو دشمن نے طاقت کے ذریعہ حکومت و ہدایت کو روکنا چاہا تب جناب امیرؑ نے جنگ کر کے بتلایا ہم دباؤ مانتے بھی نہیں ہیں۔

باپ اور نانا کی سیرت دونوں شاہزادوں میں تقسیم ہو گئی۔ بعد شہادت جناب امیر دونوں بھائیوں نے جہاد کیا۔ مگر جب اسلام اور مسلمان دونوں کے کٹ مرنے کی نوبت آ گئی تو دونوں بھائیوں نے صلح کر لی بلکہ امام حسینؑ تو کربلا تک صلح کے خواہش مند رہے مگر جب آپ سے صلح کے بجائے بیعت کا مطالبہ ہوا تو جہاد فرمایا اور شہادت قبول فرمائی

یعنی پوری تاریخ ایک اصول کے گرد گردش کر رہی ہے جب مرض بدلتا ہے تو دوا بدلتی ہے جب گمراہی نیا رخ اختیار کرتی ہے تو ہدایت نیا طریقہ کار اختیار کرتی ہے طریقہ کار کے فرق کا سبب حالات کا فرق ہے مگر مقصد ایک ہے

مکہ سے کربلا تک کا تاریخی خلاصہ یہ ہے کہ دشمن نے پہلے اسلام اور رسولؐ کے خلاف سرد جنگ کا آغاز کیا۔ افواہیں پھیلائیں۔ بائیکاٹ کیا۔ تو رسولؐ نے بھی غیر مسلح مقابلہ کیا۔ لیکن شب ہجرت دشمن نے مسلح اقدام کر کے اپنی تیرہ سالہ سرد جنگ کی ناکامی کا اعتراف کیا۔ اور گرم جنگ کا آغاز کیا۔ مگر فتح مکہ کے دن دشمن نے کلمہ پڑھ کر اقرار کر لیا کہ رسولؐ سے نہ سرد نہ گرم کسی جنگ میں مقابلہ نہیں کیا جا سکتا مگر دشمن اس غلط فہمی کا شکار رہا کہ رسولؐ کے بعد کامیابی حاصل کرنا ممکن ہو سکے گا لیکن دشمن کو معلوم نہ تھا کہ علیؑ کی شکل میں ایک دوسرا محمد موجود ہے چنانچہ پچیس سال کی سرد جنگ میں دشمن کی ناکامی اس وقت ظاہر ہو گئی جب علیؑ کے پاس حکومت خود چل کر آ گئی۔ لہذا دشمن نے گرم جنگ کا آغاز کیا۔ مگر فتح علیؑ کے مقدر میں رہی اور شکست باطل اور دشمن کے مقدر میں رہتی البتہ علیؑ کی شہادت کے بعد تجربہ کار دشمن کی نگاہ نے محسوس کر لیا کہ حسنؑ اپنے وقت کے علیؑ بھی ہیں اور محمدؐ بھی ہیں۔

لہذا نہ سرد جنگ مناسب ہے نہ گرم جنگ مفید ہے۔ لہذا صلح کا نیا حربہ آزمایا گیا لیکن اگر صلح کے شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی امامت کے لئے مضر ہوتی اور حکومت کے لئے مفید ہوتی تو دشمن اس شرط صلح پر ضرور عمل کرتا۔ مگر ہر شرط صلح کی خلاف ورزی کا مطلب ہے کہ صلح نامہ مکمل طور پر امامت کے لئے مفید اور حکومت کیلئے مضر تھا۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ بھی ہے امام حسین علیہ السلام

بعد امام حسن شرائط صلح پر باقی رہے ۔ اور یزید کو بھی دعوت صلح دی لیکن یزید صلح پر راضی نہ ہوا ۔ جو اس بات کا اقرار تھا کہ صلح حکومت کے لئے مضر تھی اور مضر ہے اور صلح امامت کے لئے مفید تھی اور مفید ہے ۔

صلح کے فتوحات بہت ہیں مثلاً کبھی علیؑ کے سامنے قرآن وسنت رسولؐ کے ساتھ اضافہ 'سیرت' کا مطالبہ کیا جا رہا تھا مگر صلح میں صرف قرآن وسنت کا ذکر تھا کسی کی سیرت کا ذکر نہ تھا ۔ یہ کتنی عظیم کامیابی تھی جو صلح سے حاصل ہوئی ۔

یہ بھی ایک عظیم کامیابی ہے کہ سواد اعظم نے طے کر لیا کہ امام حسن علیہ السلام کی چھ ماہ کی حکومت پر خلافت کا خاتمہ ہو گیا آپ کے بعد صرف نوچ کھسوٹ والی حکومتیں قائم ہوتی ہیں ۔ صلح میں دشمن کی ناکامی کا یہ ثبوت بھی ہے کہ صلح کرنے والا زہر دے کر امام حسن علیہ السلام کو شہید کرا کے اقرار کرتا ہے ان سے صلح غلط کی تھی ۔ ان کی زندگی میں بہر حال کامیابی نہ ہو گی چاہے صلح ہو یا جنگ ۔ لیکن قتل بھی عظیم غلطی تھی کیونکہ فرد کا قتل ممکن تھا سلسلہ ہدایت کا قتل ممکن نہ تھا اور حسنؑ کے بھائی حسینؑ ۔ محمدؐ و علیؑ و حسنؑ کے روپ میں موجود تھے ۔ یزید بدنام زمانہ ہو گیا مگر صرف حسینؑ قتل ہو سکے ۔ سلسلہ ہدایت باقی رہا ۔ اور آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے جس کا کل ظہور ہو گا اور پوری دنیا کو مسلمان بنا کر عہد حضورؐ سے شروع ہونے والی سرد گرم کشمکش کا خاتمہ کر دے گا ۔ غرضکہ حضورؐ سے حضرت عج تک ایک سلسلہ ہے جس کی ایک کڑی کا نام امام حسن علیہ السلام ہے ان کو سیاق وسباق تاریخ ہدایت سے الگ کر کے پڑھنے کی غلطی نہ کی جائے تو صلح حسنؑ شاہکار نظر آئے گی ۔

اسباب شہادت

٢٠ سال ایک مدت ہوتی ہے۔ کبھی اس مدت کو ایک قرن کہا جاتا تھا۔ اب یہ مدت ایک عمر کے برابر ہو گئی ہے۔ سنہ ٦١ھ کے مارچ کے مہینہ میں خداوند عالم نے سالہا سال کی تڑپ کے بعد عراق کی زیارتوں سے مشرف کیا۔ عراق کے بعد ایران گئے۔ عتبات عالیات کی زیارتوں کے علاوہ آقائے محسن حکیم طاب ثراہ آقائے خوئی مدظلہ آقائے مرعشی مدظلہ آقائے میلانی طاب ثراہ اور مفکر مشرق۔ عالمی اسلامی انقلاب کے محرک آقائے باقر صدر طاب ثراہ کی ملاقاتوں کا شرف بھی حاصل ہوا۔ پھر ٢٠ سال تک زیارتوں سے محروم رہے۔ حتیٰ کہ عراق کا ویزہ ملنا بھی ناقابل تصور ہو گیا۔

مگر رحمت کب رخ کرے گی۔ کسی کو نہیں معلوم۔ ایک دوست کے اصرار پر مع اہلیہ ممباسا (کینیا۔ افریقہ) ماہ رمضان بسر کرنے گیا۔ کینیا سے عراق کا ویزہ مل گیا۔ عراق۔ کینیا کی دوستی مشہور ہے۔ مولانا سید علی عابد صاحب قبلہ رضوی کراروی جو عرصہ سے نیروبی میں مقیم ہیں۔ ان کی قیادت میں ہم لوگ روانہ ہوئے بغداد ایرپورٹ پر اترے ١٦ر ساتھیوں میں ١٣ پاس ہو گئے۔ چودھویں مولانا علی عابد صاحب قبلہ تھے۔ جن کے سر پر عمامہ اور کاندھے پر ردا تھی۔ آپ روک لئے گئے

ایک لمبے چوڑے رجسٹر کی ورق گردانی ہوئی سید۔ علی۔ عابد۔ الرضوی ہر لفظ کے ذریعہ چھان بین ہوئی۔ مکمل تحقیق کے بعد امیگریشن نے مہر لگائی۔ مولانا کے بعد ہم میاں بیوی کے پاسپورٹ پر بھی فوراً مہر لگ گئی۔ اس واقعہ نے محسوس کرا دیا کہ ہم کس عراق میں داخل ہو رہے ہیں۔ کسٹم میں سب پاس کر دیا گیا۔ دو فارسی زبان کی کتابیں روک لی گئیں۔ عراق علم و علماء کا کتنا دشمن ہے۔ یہ تاثیر لے کر ہم کاظمین پہنچے قافلہ میں ۱۶ میں سے ۱۳ حضرات خوجہ تھے۔ ہم سب نے خوجہ مسافر خانہ کا رخ کیا۔ مولانا علی عابد صاحب بہت مرتبہ اس میں ٹھہر چکے تھے مگر آج اعلان تھا کہ صرف خوجہ ٹھہر سکتے ہیں۔ سید نہیں۔ اگر مولانا میری طرح شیروانی ٹوپی میں ہوتے تو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ مسافر خانہ کے منتظم عالم دین کو ٹھہرا کر اپنے سر عذاب مول لینے پر تیار نہ تھے ہم ہوٹل میں جگہ تلاش کرنے نکلے۔ ہمارا سامان باہر کر دیا گیا۔ ہماری بیوی کو نماز قضا ہونے کے خطرہ کے باوجود نہ وضو کی اجازت تھی نہ نماز کی۔ یہ تھا دین دشمن عراق۔

ہم جب ہوٹل میں گئے۔ مولانا کو دیکھ کر ہر جگہ انکار ہوتا رہا۔ آخر میں جگہ ملی کیونکہ میں اکیلا جگہ لینے گیا۔ ذہن بوجھل ہو چکے تھے۔ ملعون صدام کی تصویریں حرم میں بے شمار لگی تھیں۔ ملعون کی ظالمانہ مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر خون کھولتا تھا۔ مگر کیا کرتے۔ حرم میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا حرم بند ہو گیا ہے۔ رواق میں زیارت پڑھی۔ خوفزدہ ماحول ہر جگہ طاری دیکھا۔ صدام کی مکروہ شیطانی۔ قاتل۔ سفاک مسکراہٹوں والی تصویروں سے نظر بچانا ممکن نہ تھا۔ ہر سڑک۔ ہر مکان۔ ہر چوراہا۔ ہر

دوکان پر بس صدام ملعون کی تصویریں آویزاں تھیں ۔ اس کی تصویر پر نظر پڑتے ہی مظلوم باقر صدر کی تصویر نظروں میں گھوم جاتی تھی ۔

ہندوستان کے آزاد شہری نے آج زندگی میں پہلی بار ظلم کے ماحول میں گھٹی سانس لی تھی ۔ کاظمین سے نجف پہنچے ۔ نجف ویران ۔ مدرسے خالی ۔ علماء مفقود ۔ طلاب ناپید ۔ حرم اداس ۔ یہاں بھی جگہ لینا ایک کام تھا ۔ مگر نیروبی کے مومنین کام آگئے ۔ جگہ مل گئی ۔ کیونکہ عراق میں روپیہ ہی سب کچھ تھا ۔ ہمارے ذہنی خوف اور طبیعت کی اداسی میں اضافہ ہوتا گیا ۔ صرف آقائے خوئی مدظلہ ملے ۔ مسجد خضر میں نماز پڑھاتے تھے ۔ مسجد ۳۰ × ۶۰ فٹ کی ہوگی مگر مغربین میں بھی بھری نہ تھی ۔

آقائے شیخ محمد تقی آل رضی ملے ۔ مگر کسی سے کچھ معلوم کرنا بڑی بات ۔ بات کرنا بھی مناسب نہ تھا ۔ ۲۰ سال قبل آقائے خوئی کے یہاں باقر صدرؒ شہید ملے تھے ۔ آج ان کے مکان کی طرف سے گذر درکنار دیکھنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا ۔ مکان میں کوئی تھا بھی نہیں ۔ مکیں کو آگ ۔ شکنجہ کی اذیت دے کر خنجر سے شہید کیا جا چکا تھا بہن بھی بھائی کے ساتھ شہید ہو چکی تھی ۔ فوجی گاڑی میں لاشیں لاکر وادی السلام (قبرستان نجف) میں رات کے اندھیرے میں دفن کر دی گئی تھیں ۔ قبروں کا نشان بھی کسی کو معلوم نہ تھا ۔ عمامہ و عبا لاشوں کو دفنانے کے بعد آقائے خوئی کے پاس بھیج دیئے گئے تھے ۔ یہ باپ کو بیٹے کی سنائی گئی تھی ۔ اور دھمکی بھی تھی ۔ آقائے خوئی نے اپنی تکلیف شرعی یہی معین کی تھی کہ وہ ہر حال میں عراق میں

رہیں ۔ کل کربلا میں باپ شہید ہوا تھا ۔ بیٹا بعد کے امور کے لئے زندہ رہا تھا ۔ آج نجف میں بیٹا شہید ہوا تھا ۔ اور قافلہ اسلام کو عراق میں سنبھالنا باپ کے ذمہ تھا ۔ شہید خامس کی بیوہ اپنے یتیم اور یتیمہ کو لے کر شہید کے بھتیجہ کے پاس کاظمین میں مقیم تھیں ۔ بیوہ کا بھائی موسیٰ صدر پہلے شہید ہو چکا تھا ۔ شوہر اب شہید ہوا تھا مگر بیوہ ایک ننھے باقر صدر اور ایک کمسن بنت الہدیٰ کی پرورش میں مشغول تھی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا کل پھر دوسرے باقر صدر اور بنت الہدیٰ کو دیکھے گی ۔ خوف وہراس کے باوجود حالات معلوم ہوتے گئے ۔

فیصل کے قتل کے بعد عراق میں بعث پارٹی کی حکومت قائم ہوگی ۔ بعث پارٹی کا مذہب کمیونزم تھا اس پارٹی کا موجد ایک غیر مسلم یہودی یا عیسائی تھا ۔ عراق کی حکومت روس کی ماتحت حکومت تھی ۔ آقائے حکیم نے کھل کر فتویٰ دیا کہ کمیونزم کفر والحاد ہے ۔ اس میں شرکت حرام ہے ۔

فتویٰ نے عراق کو ہلا دیا ۔ لاکھوں آدمیوں نے توبہ کی ۔ آقائے حکیم نے سفر کرنا چاہا تو عراقیوں نے آپ کو مع آپ کی کار کے کاندھوں پر اٹھا لیا ۔ حکومت لرز گئی ۔ عبدالکریم قاسم نے بارہا ملاقات کی کوشش کی ۔ مگر علم نے دولت کو حاضری کی اجازت نہیں دی ۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے علماء اور حکومت کے درمیان تصادم شروع ہوا ۔ بعثی حکومت نے روسی پیسے سے سڑکیں بنوائیں ۔ اونٹ اور خچر کے بجائے ٹرک اور کاریں فراہم کیں ۔ اسکول کھولے تاکہ عراق کو ملحد بنایا جائے ۔

آقائے حکیم نے گاؤں گاؤں ۔ لائبریریاں قائم کیں ۔ مدرسے کھولے پیش نماز رکھے ۔ اور ابتدائی مذہبی تعلیم کو ہر عراقی تک پہنچانے کا منصوبہ بنایا ۔ اور اس مہم کا انچارج ۴۴ سالہ باقر صدر کو مقرر کیا ۔ علماء اور حکومت کا فاصلہ بڑھتا گیا ۔ عراق اپنے تاریخی کردار سے مظاہرہ کی طرف بڑھتا گیا ۔ آقائے حکیم سے بے وفائیاں شروع ہو گئیں ۔ مہدی حکیم کو روپوش ہو کر عراق سے نکلنا پڑا ۔ تب ان کی جان بچی ۔ جاسوسی کے الزام پر مومنین کو پھانسیاں شروع ہو گئیں ۔ اعلم کے ذرائع آمدنی کے سارے راستے روکنے کی مہم شروع ہوئی ۔ غیر ملکی کے نام پر ہر عالم اور طالب علم کو عراق چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا ۔ جنھوں نے انکار کیا ان کو دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ آقائے حکیم نے اس وقت انتقال کیا جب دین اور علم دین کے چراغ ایک کے بعد ایک بجھتے جا رہے تھے اور ظلم ۔ استبداد ۔ الحاد و کفر کے بادل عراق پر چھا چکے تھے ۔ جس میں حکومت کی بجلی کی چمک اور کڑک برابر بڑھتی جا رہی تھی ۔ اعاظم علما انتقال کر چکے تھے ۔ ان کے بعد کی صف کے علماء عراق چھوڑ چکے تھے ۔ آقائے خوئی پوری طرح بے بس تھے ۔ صرف شہید خامس باقر صدر رہتے ۔ جن کو نہ غیر ملکی کہنا ممکن تھا ۔ نہ ان پر ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا ۔ باقر صدر آقائے حکیم کے خطوط پر آگے بڑھ رہے تھے ۔

مدارس کے سلسلوں کے علاوہ حزب الدعوۃ نام کی جماعت قائم کر چکے تھے ۔ بعثی حکومت کے لئے باقر صدر موت و زیست کا مسئلہ بن چکے تھے ۔ مکار سیاست شروع ہوئی ۔ اکا دکا لوگ شہید کئے جانے لگے ۔ دہشت پھیلانے کی مہم زور شور پر چلی ۔ حزب الدعوۃ کے بارہ

ہزار نمایاں۔ تجربہ کار باا ثر اور مخلص کارکن قتل کر دیے گئے۔ باقر صدرؒ کے چار سو شاگرد شہید کر دیے گئے۔ باقر صدرؒ خانہ قید کر دیے گئے سب طرف سے اطمینان کے بعد باقر صدر کو بغداد پہنچایا گیا۔ نجف ٹینکوں سے بھرا تھا۔ شہید خامس چلے گئے۔ نجف خاموش رہے۔ مگر معصومہ کونین کی کنیز باقر صدر کی بہن۔ بھائی کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے اکیلی حرم امیر المومنین میں چادر اوڑھ کر آ گئیں تقریر کی۔ عورتیں گھروں سے نکل پڑیں۔ نجف کبھی کے مدینہ کی طرح عورتوں سے بھر گیا۔ اور بعثی حکومت نے اپنے پیش رو حکومتوں کی طرح خوفزدہ ہو کر باقر صدرؒ کو چھوڑ دیا۔ اور فاطمہ کی کنیز نے اپنی شاہزادی کی روش اپنا کر اپنے بھائی کو چھڑا لیا۔

باقر صدرؒ واپس آ گئے۔ مگر حکومت کو باقر صدرؒ کے علاوہ بنت الہدی کی شخصیت و اہمیت کا بھی احساس ہو گیا۔ دس ماہ کی مسلسل نظر بندی کے بعد ایک رات کو بھائی بہن گرفتار کر کے لے جائے گئے۔ اور پھر ان کی لاشیں واپس آئیں۔

ان واقعات کے علم کے بعد شہید خامس کی شہادت کے اسباب واضح ہو چکے تھے کہ یہ لڑائی کفر و الحاد اور اسلام کے درمیان تھی۔ اسی محاذ پر ایران میں آقائے خمینیؒ جنگ کر رہے تھے۔ اور عراق میں آقائے باقر صدرؒ اسی محاذ پر لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ ان حالات کے علم میں آ جانے کے بعد یہ گتھی بھی حل ہو گئی کہ امریکہ نواز ایران کی حمایت میں روس نواز عراق نے آقائے خمینیؒ کو عراق چھوڑنے پر کیوں مجبور کیا تھا امریکہ اور روس میں لاکھوں فاصلے ہوں۔ مگر دونوں اسلام کی مخالفت

ہیں ایک دوسرے سے بالکل قریب تھے - قریب ہیں - قریب رہیں گے - اور انشاءاللہ تعالیٰ ایک ساتھ دونوں ایک ہی قبر میں دفن ہوں گے -

۸؍ستمبر ۸۰ء کو بغداد چھوڑا - ۱۶ دن کے قیام میں حالات معلوم ہو چکے تھے - ۱۶ دن میں دل و دماغ خود بخود مفلوج ہو چکے تھے - پورے عراق میں ایک ہی نعرہ تھا ہم عرب ہیں - ہم عرب ہیں - مسلمان ہونے کا کوئی ذکر نہ تھا - بلکہ رسولؐ اسلام کو بھی صرف ایک عرب کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا -

کاظمین عراق سے نکلے - ۹؍ستمبر ۸۰ء کو تہران پہنچے - ۱۹؍ستمبر کو تہران چھوڑا - ۲۱؍ستمبر کو اعلان جنگ ہو گیا - جھڑپیں پہلے ہی سے جاری تھیں - ۲۰ سال پہلے جب ایران میں آئے تھے وہاں مذہبیت صرف یہ دیکھی تھی کہ ہر ٹرک پر امام رضا علیہ السلام کا مفروضہ فوٹو لگا کر امامؑ کی توہین بنام محبت کی جا رہی تھی - حرم کے علاوہ پورا ایران نہ صرف مذہب سے آزاد تھا بلکہ مذہب دشمن راستہ پر جا رہا تھا - جا نہیں رہا تھا - بلکہ حکومت لے جا رہی تھی - پہلوی کافر حکومت سے علماء ٹکر لیتے رہے تھے - لیکن مدرسہ فیضیہ کا ٹکراؤ تاریخی بن گیا - اور اسی ٹکراؤ سے آقائے خمینی کی تاریخ ساز شخصیت ابھری - جس کے سہارے اسلامی انقلاب آیا - مگر یہ انقلاب بھی اس لئے آیا کہ ۳۰ سال تک علماء جان پر کھیل کر ہر فرد تک مذہب پہنچا رہے تھے - جس کے نتیجہ میں وہ نوجوان نسل پیدا ہوئی جو پاسدار انقلاب اسلامی بن گئی -

عراق کی تباہی جو آقائے خوئی کی بے بسی اور شہید خامس آقائے باقر صدرؒ کی شہادت تک پہنچی اور ایران کی ترقی اسلامی انقلاب

تک پہنچی ۔ وہ اسلامی انقلاب جس کے داخلی و خارجی استحکام کو عراق کے حملہ اور بنی صدر و مجاہدین خلق کی بغاوت سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ۔ ان دونوں باتوں کا سلسلہ صرف ایک بات تک جاتا ہے کہ ہر فرد شیعہ کو مذہبی تعلیم ملی یا نہیں ۔ ہر فرد شیعہ پابند دین ہو گیا یا نہیں ۔ وہ اپنے کو آزاد سمجھتا ہے یا پابند احکام خدا سمجھتا ہے ۔

عراق و ایران کی واپسی پر خدا کا شکر کیا کہ اس نے ۱۲ سال قبل ہم کو اور ہمارے ساتھیوں کو تنظیم المکاتب کے ذریعہ اس بنیادی خدمت کی توفیق ادا کر دی تھی شیعہ کا شیعہ نہ ہونا باقر صدرؒ کی شہادت کا سبب ہے ۔ اور آقائے خمینی کی کامیابی کا سبب شیعہ کا شیعہ ہونا ہے ۔
پہلے ہم اپنی زندگی میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم شیعہ ہیں یا نہیں اور اس کے بعد آقائے خمینیؒ کو مبارک باد دیں اور شہید خامس کو سلام کریں ۔

بنت الہدیٰ کی شہادت عورتوں کو خصوصی طور پر اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی دعوت دے رہی ہے ۔

درجن بھر حکومتوں کو شکست دینے والے امام صادقؑ

انسان جب کچھ بنانا شروع کرتا ہے تو اس کا نقشِ اوّل۔ اس کے ہاتھوں بننے والی پہلی تخلیق سب سے زیادہ ناقص ہوتی ہے کیونکہ اس کے علم کا ذریعہ تجربہ ہے جیسے جیسے تجربہ بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کی تخلیق میں کمال اور خوبی کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف خداوند عالم خالق علم و عقل انسانی ہے۔ اس کی ذات میں علم و کمال ہے اور علم و کمال اس کے عین ذات ہیں لہٰذا اس نے جس مخلوق کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ سب سے زیادہ کامل سب سے زیادہ عالم اور ہر ممکن خوبی میں سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع تھا۔ یہ اول مخلوق خدائے قادر و عالم کے کمالات کا آئینہ تھا۔ اس اول مخلوق کا نام نور محمدؐ ہے۔ آپ کے نور کے چودہ حصہ دار اور کمالات کے چودہ آئینہ دار خدا نے بنائے جو کمال میں یکساں تھے۔ خود حضوؐر جناب معصومہ فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہا اور بارہ امامؑ اس نور کے ٹکڑے ہیں جن میں سے ہر ایک چودھویں کا چاند ہے۔ عالم ظاہر میں ظاہر ہونے سے پہلے بھی یہ عالم نور میں علم و عصمت اور ہر فضیلت سے آراستہ و پیراستہ تھے اور جب اس دنیا میں پیدا ہوئے تو اپنے ساتھ علم و عرفان و عصمت و فضائل و کمالات لے کر پیدا ہوئے مگر افسوس کہ زمانہ نے ان کی ناقدری کی جو جاہل

وگناہگار پیدا ہوئے اور جاہل وگناہگار رہے اور ان کا مقابلہ پاکیزہ خصائل نبیؐ واہلبیتؑ سے کیا گیا جو پیدائش سے پہلے بھی عالم ومعصوم تھے اور پیدائش کے بعد بھی تاجدار علم وعصمت رہے بعض باتیں وہ ہیں جہاں عقل کا سپر انداختہ ہوجانا ہی سب سے بڑی عقلمندی ہے۔ ہم خدا کے وجود کو اس کی قدرت وعلم وکمال کو عقل کے ذریعہ جان سکتے ہیں۔ مخلوقات کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں مگر اس کی حقیقت کو جاننے کی کوشش عقل کو اسی طرح نابینا کردیتی ہے جس طرح سورج کو دیکھنے والا اندھا ہوجاتا ہے اسی طرح اول مخلوق نور محمدیؐ کے چودہ حصہ داروں میں سے کسی کو اپنی عقل کی سطح سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرنا انسان کو نور ایمان سے محروم کردیتا ہے اور انسان حیرت وشک وکند خیالی کا شکار ہوکر عقل وایمان کی دولت کھو بیٹھتا ہے۔ لہذا بعض دانشوروں کی یہ کوشش ایمانی تباہی کی کوشش ہے کہ حضرات عالم نور میں کب پیدا ہوئے۔ کتنے دن کے بعد دنیا میں آئے۔ دنیا میں آنے سے پہلے ان کے کمالات کی حد کیا تھی۔ پھر انھوں نے عالم نور میں جلال وجمال الٰہی سے کیا کچھ جذب کیا اور کیا کیا حاصل کیا۔ پھر دنیا میں آئے تو کتنے کمالات کے مالک تھے۔ پھر اپنی شہادت کے بعد کیا کیا خدا سے اور پایا۔ غرض کہ عالم نور سے عالم ظہور تک۔ مہد سے لحد تک اور شہادت کے بعد ان کے کمالات کی منزل کیا تھی یہ وہ منزل ہے جہاں عقل صرف حیرانی کا شکار ہوتی ہے۔ بس قصہ مختصر یہ کہ یہ روز اول سے مالک کمالات تھے قادر خدا جو کچھ عطا کرسکتا ہے وہ اس نے ان کو دیدیا۔ اور بعد خدا سب سے برتر صاجان کمال جتنا کچھ کمال لے سکتے تھے وہ انھوں نے حاصل کیا اور فیضان نور وجذب نور کا سلسلہ آج بھی بعد شہادت جاری ہے وہ کیا تھے

انھوں نے کیا پایا ہم نہیں جان سکتے ہم کو اس منزل میں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہم کیا ہیں جو ان کو ناپ تول کر جان سکیں اور یہیں پر عقل کو خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا چاہیئے کہ جب ہم اول مخلوق کی معرفت کا حق ادا کرنے سے عاجز ہیں تو ان کے خالق وَاحد وَاَحَد کی تفصیلی یا اجمالی حقیقت کیا جان سکیں گے۔ خدا کو بھی ہم نے ان چیزوں کے ذریعہ پہچانا جو اس نے ہم کو دی ہیں تو نبیؐ وآل نبیؑ کو بھی ہم صرف ان ہی نعمتوں کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں جو انھوں نے ہم کو دی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم ان کی عطا کردہ نعمتوں کو جاننے ماننے اور پہچاننے سے غافل ہیں۔

۱۵ر شوال ۱۴۸ھ کو ۶۵ سال کی عمر میں منصور خلیفہ عباسی کے زہر سے شہید ہونے والے امام جعفر صادق علیہ السلام جو جنت البقیع میں دفن ہوئے جن کے زمانہ میں دس بنی امیہ کے بادشاہ گذرے۔ جن کے عہد میں بنی امیہ کی حکومت اپنے ہاتھوں اپنی موت تک پہنچی۔ مظالم نے ظالموں کا خاتمہ کرایا۔ بنی عباس اقتدار میں آئے بنی عباس کا پہلا بادشاہ سفاح کے نام سے مشہور ہوا۔ سفاح یعنی خونریزی کرنے والا۔ اس کے بعد آپ کے سامنے منصور کو حکومت ملی۔ جس نے آپ کو شہید کرکے دوزخ کی بدترین جگہ حاصل کی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ۱۲ حکومتیں قائم ہوئیں دور بنی امیہ ختم ہوا۔ بنی عباس نے خون ناحق حسینؑ کے نعرہ کے ذریعہ بنی امیہ کو مٹایا اور اپنے کو بنی امیہ کی جگہ پر بٹھایا۔ مگر خون حسینؑ کے یہ سوداگر اپنے عہد کے یزید نکلے اور ہر عہد کے حسینؑ کو قتل کرتے رہے۔ منصور کے ظالم دور میں جو حسینؑ شہید ہوا اس کا نام ہے امام جعفر صادق علیہ السلام آپ نے دین کے اصول و فروع کو عقل و حکومت کو جو سرمایہ دیا اس کو آج بھی شریعت

و مذہب فقہ و فلسفہ ۔ دین و دانش گلے سے لگائے ہے اور ان کے ذریعہ مشکلات کو حل کرتی رہتی ہے ۔ اس علمی جعفری دین اور عطیہ و بخشش کے علاوہ امام نے بتایا کہ سیاسی بازیگروں کی حد و انتہا و معراج ۔ اقتدار ہے ۔ لیکن امامت حکومت کو ٹھکراتی ہے اور ہدایت کو کلیجہ سے لگاتی ہے ۔ زندگی یوں صرف تعلیم دین فرمائی کہ دین الٰہی و دین محمدی ۔ دین جعفری بن کر زندہ جاوید ہوگیا ۔ اسی شوال کی ۸ تاریخ کو آل سعود نے جنت البقیع کو منہدم کیا ۔ جس کی ۱۵ر کو منصور نے امام جعفر صادقؑ کو شہید کیا تھا ۔ مگر بنو امیہ سے بنو عباس تک اور بنو عباس سے آل سعود تک سب بے نشان اور بدنام ہیں ۔ اور امام جعفر صادقؑ کا سکہ علم و مذہب میں آج بھی جاری ہے اور عہد ظہورؑ میں سارے عالم پر حاوی ہو جائے گا ۔ اگر ہم کو جعفری بننا ہے تو علم و عمل میں ۔ عبادات و معاملات میں اپنے کو سچا ثابت کرنا ہوگا ۔ مذہب کا صرف وہ وفادار ہے جو اس کے احکام کا پابند ہے ورنہ دین ہماری شکایت ہمارے آقاؤں سے کرے گا اور ہمارے پاس معذرت کے لئے زبان نہ ہوگی ۔

وقت ظہور قریب ہے یارو

جو دن گذرتا ہے تین چیزیں ہم سے قریب ہوتی جاتی ہیں۔ موت، ظہور، قیامت، موت ہماری اس دنیاوی زندگی کا آخری انجام ہے۔ قیامت اس پوری دنیا کا آخری انجام ہے۔ اور ظہور حق و باطل کی کشمکش کا آخری انجام ہے۔ دین ہمیشہ مقہور و مغلوب و مجبور اور بے بس رہنے کے لئے نہیں آیا ہے۔ ظالم کو ہمیشہ اینڈنا۔ من مانی کرنا نراج پھیلانا نصیب نہ ہوگا۔ مظلوموں اور مومنوں کو ہمیشہ آہیں بھرنا۔ آنسو بہانا نہیں پڑیں گے۔ بلکہ قیامت سے پہلے ایک دن نہیں بلکہ ایک عہد ایسا آنے والا ہے جب مکمل طور پر غلبہ و قوت و اختیار دین الٰہی کو حاصل ہو جائے گا۔ ظلم و گناہ اپنی ذلیل موت تک پہنچ جائیں گے۔ مسکراہٹ اور فاتحانہ مسکراہٹ کامیاب و کامران مظلوموں اور مومنوں کے لبوں پر ہوگی۔ سراسیمگی اور گھبراہٹ۔ ذلت و رسوائی ظالموں کا مقدر بنے گی۔ یہ دن اور یہ عہد آئے گا اور ضرور آئے گا۔ کب آئے گا کسی کو نہیں معلوم۔ اندازہ لگانا۔ وقت معین کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں لیکن کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے یہ دن اور یہ عہد ضرور آنے والا ہے۔ بلکہ روز بروز یہ عہد قریب ہوتا جا رہا ہے۔ بیتاب طبیعتیں انتظار نہیں کرنا چاہتی ہیں۔ اور بے تمیز ذہن بجائے انتظار کے انکار کرنا چاہتے ہیں لیکن وقت کے دھارے کو کوئی موڑ نہیں سکتا۔ البتہ یہ سوال ضرور کیا جاسکتا ہے

کہ ہمیشہ سے ایمان و مومن - اسلام و مسلمان کیوں غالب نہ رہے بلکہ شروع ہی سے کیوں نہ غالب ہو گئے جبکہ دین کا بھیجنے والا خدا وہ ہے جو نہ کبھی مغلوب ہوا ہے نہ کبھی مغلوب ہوگا تو بیشک خدا غالب تھا غالب ہے غالب رہے گا لیکن غالب خدا بھی حلم سے کام لیتا ہے کیونکہ دین و مذہب کی بنیاد ہے انسان کا اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ نیک بننا - خدا نیک بننے میں مدد دیتا ہے - ہادیوں کو بھیجتا ہے - ایسے حالات پیدا کرتا ہے جو عبرت و بصیرت کا سامان فراہم کریں لیکن اپنی طاقت کا ادنیٰ سا استعمال بھی انسان کو نیک بنانے میں نہیں کرنا چاہتا ورنہ انسان اپنے اختیار سے نیک نہیں بنے گا بس یہی خود اختیار نیکی کا حصول ہی وہ عظیم مقصد ہے جس کے لئے اشرف المخلوقات انسان پیدا ہوا اور انسانوں میں جتنے انسان اشرف تھے وہ سب کے سب اسی مقصد کے لئے اپنی اپنی عظیم زندگیاں بسر کر گئے - نہ صرف زندگی بسر کر گئے بلکہ عظیم قربانیاں بھی دے گئے - اسی عظیم مقصد کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے خدائے علیم و حکیم و عظیم نے کبھی مداخلت نہیں کی - بلکہ ہدایت کے کام کو طبعی رفتار کے مطابق چلنے دیا - شیطان کی رکیک حرکات برداشت کیں - فرعون و نمرود یزید کے مذبوحانہ اقدامات برداشت کئے - آدمؑ کے آنسوؤں سے لے کر حسینؑ کے خون تک کو بہنے دیا - آج بھی امریکہ و اسرائیل و روس و صدام بہشتیوں کا خون بہا رہے ہیں باہنر کو آگ میں جلا رہے ہیں - لیکن خدا کی طاقتیں حلم سے کام لے رہی ہیں - یہاں تک کہ ظلم تھک جائے - باطل کی حیلہ سازی ختم ہو جائے انسان کی آنکھیں کھل جائیں - اور سیاسی سماجی ثقافتی صنعتی - زراعتی - سائنسی انقلابات کے ہاتھوں ہر طرح تھک جانے والی انسانیت کو طلوع صبح کا خود بخود انتظار شروع ہو جائے -

مادہ پرستی چور چور ہو جائے اور انسان ان دیکھی روحانیت کی طرف خود بخود کھینچنے لگے۔ تو پھر جب صبح ظہور آئے گی۔ اور شب غیبت ختم ہو گی۔ تو چوندھیایا ہوا انسان حق کی طرف عدل کی طرف روحانیت کی طرف۔ دین کی طرف اسلام کی طرف پورے شوق و ذوق و علم و معرفت کے ساتھ لپکے گا۔ اس وقت ہر ظالم کو اپنی موت نظر آنے لگے گی۔ وہ نجات دہندہ انسانیت کو ختم کر دینا چاہیں گے۔ مگر آنے والا اپنے ساتھ جہاں مظلوموں کے لئے زندگی لائے گا وہاں ظالموں کے لئے موت بھی لائے گا۔ ہر ظلم مٹ جائے گا صرف عدل کامل یعنی اسلام باقی رہ جائے گا۔

صبح ظہور انسان دو جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے ایک امامؑ سے مقابلہ کرنے والے دوسرے امامؑ کا ساتھ دینے والے۔ مقابلہ کرنے والوں کو کہیں امان اور پناہ نہ ملے گی وہ نفاق کے ذریعہ مدد کرنے والوں میں شامل ہو کر بھی پناہ نہ پا سکیں گے۔ تطہیر کا عمل اور صفائی کی مہم اتنی تیز اور محیط و حاوی ہو گی کہ جو کوئی شخص جس کی عمر ۲۰ سال یا اس سے زیادہ ہو گی اگر وہ دین نہیں جانتا ہو گا۔ دینی واقفیت نہ رکھتا ہو گا۔ حلال و حرام۔ واجب و گناہ سے لاعلم ہو گا احکام شریعت پر مکمل طور پر عامل نہ ہو گا تو ایسا ہر شخص امام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا۔ کسی جاہل کو عقیدہ کے نام پر پناہ نہ ملے گی کسی فاسق اور بے عمل کو اقرار دین کے نام پر امان نصیب نہ ہو گا۔

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ وقت ظہور قریب ہے کسی وقت بھی اعلان ظہور ہو سکتا ہے کیا ہم نے دینی واقفیت حاصل کر لی ہے۔ کیا ہم نے واجبات کو ادا کرنے کی عادت ڈال لی ہے کیا ہم گناہوں سے باز رہنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ کیا ہم نے اپنے گناہگار ماضی کے لئے توبہ کر لی ہے کیا ہم نے

اپنے حال و مستقبل کو ایسا پابند مذہب بنالیا ہے کہ ہماری توبہ قبول ہوسکے۔ اگر ابھی ہم نے ایسی تیاری نہیں کی ہے تو وقت مہلت و فرصت کو ضائع کئے بغیر ہم کو ظہور کی تیاری کرلینی چاہیئے ۔ ورنہ

وقتِ ظہور قریب ہے یارو

یہ سوچنا غلط ہوگا کہ ممکن ہے ہمارے سامنے ظہور نہ ہو۔ کیونکہ غیبت کے معنی یہ ہیں کہ ہم حضرت عج کو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ۔ حضرت عج ہم کو نہیں دیکھ رہے ہیں غیبت پر ایمان رکھنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم کو ہمہ وقت یہ تصور رہے کہ خدا نبیؐ امامؑ ہمارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ ہمارے تمام اعمال اسی تصور کی نگرانی میں انجام پائیں ۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ہم غیبت پر صرف لفظی ایمان رکھتے ہیں ۔ معنوی ایمان نہیں رکھتے ہیں ۔ بے خبر افراد کے درمیان تو لفظی ایمان ممکن ہے کچھ فائدہ پہنچا دے لیکن عالم الغیب خدا اور علم غیب کے حامل نبیؐ و امامؑ کے سامنے لفظی ایمان کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی ۔ اگر ہم زمانہ غیبت میں وقت ظہور کے لئے اپنے کو تیار کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے دماغ پر اس تصور کو طاری و ساری و حاوی رکھنے کی مشق کرنا ہوگی کہ امامؑ ہمارے کاموں کو خود بھی ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں اور اعمال لکھنے والے ملائکہ صبح و شام ہمارے اعمال نامے کو حضرت عج کی خدمت میں پیش بھی کرتے رہتے ہیں ۔

ضد نہ کیجئے بلکہ تقلید کیجئے

سورہ بقرہ جو قرآن مجید کا دوسرا سورہ ہے۔ اس کی آیت ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵ میں روزہ کا حکم بیان کیا گیا۔ آیت ۱۸۴ میں ہے کہ کوئی شخص جو بیمار ہو یا سفر میں ہو۔ وہ روزہ نہ رکھے بلکہ رمضان کے بعد ان روزوں کو رکھے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضورؐ سفر میں واجب اور سنتی روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضورؐ سفر میں تھے اور قافلہ کے سارے مسلمان روزسے تھے۔ دن ڈھلنے کے بعد یہ آیت اتری کہ سفر اور مرض میں روزہ نہ رکھو۔ حضورؐ نے اسی وقت کھانے پینے کا سامان طلب فرمایا اور سب کے سامنے روزہ افطار کیا اور مسلمانوں کو بھی افطار کرنے کا حکم دیا مگر چند لوگ جو بخیال خود حضورؐ سے بھی کچھ زیادہ (معاذاللہ) مقدس تھے انھوں نے روزہ کو مکمل کرنا چاہا۔ کہ تھوڑا دن رہ گیا ہے اب روزہ کھولنا اچھا نہیں لگتا۔ دن پورا کر لینا چاہئے پھر روزہ عبادت ہی تو ہے۔ اگر ہم روزہ رکھے رہیں گے تو مصروف عبادت ہی تو رہیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے روزہ نہیں کھولا اور اپنے تقدس اپنے ایمان۔ اپنے عقیدہ اور اپنے عمل کے غرور پر باقی رہے۔ حالانکہ جب خدا حکم دے اور نبیؐ حکم خدا پر عمل کر کے دکھائے اس کے بعد جو شخص بھی اپنی بات پر اڑا رہے وہ دین و ایمان سے منحرف ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے ان لوگوں کو "عصاہ"، "گناہ گار"، کا خطاب

دیا۔ آپ کے فرمانے کے بعد تمام مسلمان ان کو ہمیشہ عصاۃ کہتے رہے۔ سوسائٹی میں ان کو ان کے خبیث عمل نے جو جگہ دلائی تھی وہ ان کا مقدر بن گئی حضورؐ کی زندگی میں ان لوگوں کے نام سے "عصاۃ" کا لفظ نہیں مٹ سکا۔ البتہ حضورؐ کے بعد جب حالات ہی بدل گئے اور مسلم سماج میں حضورؐ کے بعد عصاۃ یعنی گناہگاروں۔ نافرمانوں کا دور دورہ ہوگیا تو اب کون ان کو کس منہ سے عصاۃ کہتا۔ سب ہی ان کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔

ناواقف اسے اتفاق کہہ سکتا ہے لیکن عقل ایمانی رکھنے والا ہر قلب مسلم اس کو خدائی انتظام کہے گا کہ قبلہ بدلنے کا حکم بھی حالت نماز میں آیا تھا۔ جس طرح سفر میں روزہ نہ رکھنے کا حکم روزہ کی حالت میں آیا حضورؐ نے عین حالت نماز میں بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف منہ کرکے باقی نماز ادا کی۔ اس وقت بھی کچھ بزعم خود زیادہ مومن اور مقدس مسلمان سوچتے رہ گئے تھے۔ تعمیل کے بجائے الٹا خدا اور رسولؐ کے بارے میں سوچنے لگے کہ یہ کام تو نماز کے بعد بھی ہوسکتا تھا۔ (ان کے خیال میں) نماز خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ عبادت صرف حکم خدا کی تعمیل کا نام ہے۔ اور اسی خالص تعمیل کو دیکھنے اور دنیا کو دکھانے کے لئے خدا نے حالت نماز میں قبلہ بدلنے کا حکم بھیجا اور حالت روزہ میں سفر میں روزہ توڑنے کا حکم بھیجا۔

مندرجہ بالا دونوں باتوں میں مصلحت الہی یہی تھی کہ کسی رائج عبادت کو اہمیت دینے کے بجائے حکم خدا کو اہمیت دی جائے۔ اسی مصلحت الہی کو ظاہر اور واضح کرنے کے لئے امام حسین علیہ السلام عین حالت سجدہ میں نبیؐ کی پیٹھ پر آکر بیٹھ گئے تھے اور حکم خدا کے مطابق نبیؐ نے سجدہ کو حسینؑ کے اترنے کے انتظار میں طول دیا تھا۔ تابع احکام الہی و سنت نبوی سجدہ میں

رہے تھے اور اپنے خیال کے ‘بڑے مومن’، ‘بڑے محب’، بڑے مقدس و متقی، خدا و نبیؐ و امامؑ کی نظر میں ‘عصاۃ’، ‘نافرمان’ ‘گنہگار’، قابل مذمت و ملامت، قرار پائے تھے۔ ان کی نظر میں حسینؑ سے خدا تک سب قابل اعتراض تھے (معاذ اللہ)۔

ان تینوں واقعات سے آج کے مسلمان کو سبق لینا چاہیے کہ کسی کے خیال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ قیمت صرف حکم خدا حکم نبیؐ۔ حکم امامؑ کی ہے۔ آج حکم خدا کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ اعلم فقیہ و مجتہد کی تقلید کرنا ہے اور ان کے فتوے پر عمل کرنا ہی حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔ عبادت ہے۔ اسلام ہے۔ ایمان ہے محبت اہلبیت علیہم السلام ہے ورنہ اپنے خیال پر عمل کرنے والے یا کسی کے خیال کی اطاعت کرنے والوں کو صرف عصاۃ۔ نافرمان کا خطاب ملے گا اور اس خطاب کے بعد صرف غضب خدا و نبیؐ و امامؑ کا سامنا کرنا ہوگا۔ جس کی عملی شکل عذاب ہے جو قبر سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا تقلید کیجئے یعنی اپنے کو ضالین و مغضوب علیہم کی فہرست میں شامل ہونے سے بچاتے ہوئے صراط مستقیم پر چلیئے تاکہ اہلبیت علیہم السلام کی پیروی کا پھل جنت و نعمات جنت حاصل ہو۔

حکومت و شریعت کے قوانین پر یکجائی عمل کیونکر ہو؟

آج پوری دنیا کی صورت حال یہ ہے کہ سوائے ایران کے فی الحال کسی جگہ شریعت کی حکومت نہیں ہے۔ ہر جگہ کا مسلمان اس مشکل سے دوچار ہے کہ قوانین حکومت اور ہیں اور شریعت کے احکام اور ہیں۔ یہ مشکل صرف ان ملکوں کے مسلمانوں کی نہیں ہے جو غیر مسلم ممالک میں رہتے ہیں بلکہ مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمان بھی اسی مشکل میں گرفتار ہیں۔ جہاں روس، چین، امریکا، انگلستان، کناڈا، ہندوستان وغیرہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ وہ حکومت کے احکام پر عمل کریں یا شریعت کے احکام پر۔ وہاں مسعودی عرب، عرب امارات، پاکستان انڈونیشیا، بنگلا دیش، مصر، ترکی وغیرہ مسلم ممالک کے باشندوں کے سامنے بھی یہی مسئلہ مشکل ہے کیونکہ اسلامی قوانین کی حکومت کہیں نہیں ہے۔ جہاں جمہوریت، سوشلزم، سیکولرزم، کمیونزم، ڈکٹیٹرشپ یا آمریت ہے وہاں کے قوانین بھی غیر اسلامی ہیں اور مسلم ممالک حتیٰ کہ سعودی عرب جو عرصہ سے اسلامی حکومت کی چودھراہٹ کر رہا ہے وہاں بھی اسلام کی حکومت نہیں ہے۔ اسلام میں نہ شاہی ہے نہ نسلاً حکمرانی ہے اور سعودی عرب کا حاکم بادشاہ ہوتا ہے اور

صرف سعودی خاندان کو حکمرانی کا حق ہے۔ منڈی داڑھیاں احکام اسلامی کی دھجیاں اڑا رہی ہیں۔ ناچ اور گانے کے پروگرام ٹیلی ویژن پر برابر آتے ہیں۔ عوام ملوکیت کی چکی میں پیسے جا رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ جس حکومت کی بنیاد خاندانی شاہی پر ہے اس کے اسلامی ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا شاہان سعودی عرب کی شراب خواری اور عیاشی کی بین الاقوامی شہرت ہے۔ نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے بلکہ انسانوں کے بنیادی حقوق بھی یہ لوگ امریکہ اور روس کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں تاکہ ان کی حکومت باقی رہے۔ مصر۔ ترکی وغیرہ غیر مسلم ممالک سے بھی بدتر غیر اسلامی کردار رکھتے ہیں۔ کل ایران بھی اسی صف میں تھا۔ ایران میں شاہ اور خمینی کا فرق نہیں ہوا ہے بلکہ بنیادی فرق یہ ہے کہ کل اسلام کو ایران سے دیس نکالا دیا گیا تھا آج ایران میں اسلام اور صرف اسلام کی حکومت ہے۔

مختصر یہ کہ چاہے وہ ممالک ہوں جو مسلم کہلاتے ہیں یا غیر مسلم ممالک ہوں کسی جگہ اسلام کی حکومت نہیں ہے لہذا ہر جگہ کے مسلمان کے سامنے یہ الجھن موجود ہے کہ وہ حکومت و شریعت میں کس کا کہنا مانے۔ کس کا کہنا نہ مانے۔ ایک کے نہ ماننے کا حشر جیل ہے دوسرے کے نہ ماننے کا حشر دوزخ ہے۔ اور کوئی شخص بھی نہ جیل جانا چاہتا ہے نہ دوزخ۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ دوہری وفاداری نہ وفاداری ہے نہ اس پر عمل ممکن ہے۔ انسان انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک صرف کسی ایک ہی کا وفادار ہوتا ہے دوہری وفاداری کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ دوغلہ پن کو بھی وفاداری مان لیا جائے۔ جن گھروں میں ساس بہوئیں ماں باپ ہیں۔ نند بھاوج ہیں۔ بھابھی دیور میں لڑائی ہوئی ہے اس گھر کا ہر آدمی حیران

رہتا ہے کہ یہ کس کا ساتھ دے۔ کس کا ساتھ نہ دے۔ سب کو راضی رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ البتہ اگر گھر کے سب آدمی شریعت کے احکام کے سامنے سرنگوں ہو جائیں۔ سب صرف شریعت کے وفادار رہیں تو جھگڑے نبٹائے جا سکتے ہیں۔ حق بات کہی جا سکتی ہے۔ سب کو حق ماننے اور حق دینے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور سب کو راضی بھی رکھا جا سکتا ہے ورنہ تو جھگڑا ہی جھگڑا رہے گا اور حیرانی پریشانی میں اضافہ کرتی رہے گی۔

غرضکہ مسلمان عالمی سطح پر اس الجھن کا شکار ہے کہ حکومت و شریعت میں کس کا وفادار رہے۔ کس کے قوانین پر عمل کرے۔ جب تک اس مسئلہ کا علمی اور فکری حل سامنے نہیں آئے گا۔ عملی مشکلوں اور زحمتوں کو حل کرنا اور ان پر قابو پانا بالکل ناممکن رہے گا۔

اس گتھی کو سلجھانے کے لئے حسب ذیل امور پر غور ضروری ہے۔

۱۔ اسلام مذہب ہے جو مرتے دم تک تبدیل نہیں ہو سکتا لیکن آدمی شہریت بدل سکتا ہے۔

۲۔ اسلام کا قانون ساز خدا ہے لہذا اس کے بنائے قوانین کو کبھی غلطی کی بنا پر تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ البتہ حکومتوں کے قوانین روزانہ ترمیم کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور غلطی پر غلطی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۳۔ اسلام کا خدا۔ نبیؐ۔ امامؑ سب ناقابل تبدیل ہیں اور حکومتیں روز بدلتی رہتی ہیں۔

۴۔ مذہب کی سرحد دنیا و آخرت دونوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور حکومت کی سرحد بس دنیا تک ہے۔ آخرت حکومت کی گرفت سے باہر ہے۔

۵ ۔ مذہب تصور خالق اور عقیدہ آخرت کے ذریعہ ہر حال میں انسان کو سیدھا چلنے پر آمادہ کرنے کی بھرپور طاقت رکھتا ہے ۔ اور آخرت مکمل انصاف کا واحد سہارا ہے ۔ اس کے برخلاف حکومت ظالم کے ہاتھ میں بھی آجاتی ہے تو انصاف مفقود ہو جاتا ہے اور نااہل کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو قوانین پر عمل کرانے کی صلاحیت نہیں رہتی ہے ۔

۶ ۔ مذہب کے ماننے والے کو حکم خدا کے سامنے سر جھکانا ہے ۔ حکم بدلوانے کا اسے کوئی حق نہیں ہے ۔ لیکن عوام کو قوانین حکومت بدلوانے کا حق ہوتا ہے ۔

مندرجہ بالا چند امور کی روشنی میں ہر آدمی یہی فیصلہ کرے گا کہ اگر کسی وقت حکومت یا شریعت میں سے کسی کی نافرمانی کرنا پڑے تو اس کام کے لئے شریعت کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن کیا ہم شریعت کے لئے حکومت کی مخالفت کر سکتے ہیں ۔ بلکہ کیا شریعت نے ہم کو پابند کیا ہے کہ ہم ہر تباہی مول لے کر شریعت کی پابندی کریں ۔ نہیں ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ ہم کو ہر حال میں حکومت کے قوانین پر بھی صرف شریعت کے ذریعہ عمل کرنا ہے ۔ کسی حال میں بھی ہم شریعت کی مخالفت نہیں کر سکتے ۔ شریعت کو معطل نہیں کر سکتے ہمارا پہلا فریضہ ہوگا کہ ہر مسئلہ میں ہم وہ راہ پیدا کریں کہ شریعت کے عذاب اور حکومت کے عتاب سے محفوظ رہیں ۔ مثلاً حرام اور نجس چیزوں کی تجارت نہ کریں حرام نوکریاں نہ کریں ۔ کم کھائیں مگر حلال کھائیں اور جنت پر قناعت کریں ۔ البتہ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ شریعت اور حکومت میں ناقابل حل تضاد ہو ۔ تو جس طرح ہلاکت سے بچنے کے لئے ضرورت بھر حرام حلال ہو جاتا ہے اسی طرح ضرورت بھر شریعت کی خلاف ورزی کا حکم شریعت خود دے گی ۔

مختصر یہ کہ شریعت کے خلاف ہم ایک سانس نہیں لے سکتے۔ بلکہ جس وقت جو حکم شریعت ہو اس پر عمل کرنا ہوگا۔ معصومؑ نے اسی لئے فرمایا کہ جو شخص تقیہ کے موقع پر تقیہ نہیں کرے گا اس کا یہ گناہ معاف نہ ہوگا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ہم کو ہر حال میں شریعت کی پابندی کرنا اور ہر مسئلہ میں شریعت ہماری کیا ذمہ داری طے کرتی ہے اسے فقیہ سے معلوم کرتے رہنا ہے۔ تاکہ ہم ہر حال میں صرف شریعت ہی کے پابند رہیں۔

جاتا رمضان۔ آتی عید اور ہم

انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے دنیا کی حقیقت مختلف مثالوں کے ذریعہ سمجھائی ہے۔ کسی نے فرمایا دنیا ایک پل ہے جس سے گذر کر آدمی آخرت میں داخل ہوتا ہے۔ پل سے وہی لوگ آسانی سے گذرتے ہیں جو خود بھی ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور جن کا سامان بھی کم سے کم ہوتا ہے۔ دنیا کی ہلکی پھلکی زندگی کہ سامان بھی کم ہو اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان دنیا کی خواہشات میں پڑنے کے بجائے آخرت کی آرزو رکھے اور دنیا جمع کرنے کے بجائے آخرت میں اعمال کے ذریعہ ثواب جمع کرے۔ روزہ زندگی کو ہلکا پھلکا بنانے اور سامان کم کرنے کی ایک مشق ہے جو ایک ماہ جاری رہتی ہے بشرطیکہ آدمی روزہ رکھے یعنی زندگی کو ہر گناہ سے بچائے ورنہ گناہوں کا کرنا اور روزہ سے رہنا ایک فاقہ ہے روزہ نہیں ہے یہ فاقہ بھی روزہ نہ رکھنے کے عذاب سے ضرور بچا لے گا۔ البتہ اگر روزہ ہے تو پھر ثواب اور رحمتوں کی بارش بھی ہوگی۔

معصوم کا دوسرا قول ہے کہ دنیا ایک موج ہے ایک لہر ہے۔ موج اور لہر ٹھہر نہیں سکتی۔ اسی لئے دنیا کسی کے پاس نہ ٹھہری ہے نہ ٹھہرے گی۔ امامؑ نے فرمایا اگر دنیا کسی کے پاس ٹھہرتی تو تم سے اگلے لوگوں کے پاس ٹھہر جاتی اور تم تک نہ آتی۔ اگلوں کو چھوڑ کر تمھارے پاس آئی ہے تو تم کو بھی چھوڑ کر دوسروں کے پاس چلی جائے گی۔ موج کی یہی صفت ہے کہ ابھی یہاں اور فوراً وہاں۔

موج سے فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ کشتی ہے اور خداوند عالم نے ہم کو اہل بیت علیہم السلام کے دامن سے چمٹے رہنے کی ہدایت اسی لئے کی ہے کہ یہی وہ کشتی ہے جو ضامن نجات ہے بلکہ واحد ذریعہ نجات ہے۔

تیسرا قول امام چہارم حضرت زین العابدین علیہ السلام کا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ دنیا جاری ہے اور آخرت آرہی مگر انسان جاتی ہوئی دنیا کی طرف بھاگتا ہے۔ اور آتی ہوئی آخرت کا استقبال نہیں کرتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ایک درہم کھو جاتا ہے تو تم اسے دن بھر ڈھونڈھتے ہو اور اس کا غم کرتے ہو مگر وقت یعنی تمہاری عمر گذرتی جاتی ہے تم کو اس کے جانے۔ ضائع ہونے کا نہ غم ہے نہ فکر۔ جب کہ درہم کا بدل مل جائے گا۔ مگر نہ عمر کا بدل ملے گا نہ گیا وقت ہاتھ آتا ہے۔

اس وقت ہماری صورت حال بھی یہی ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ جا رہا ہے جس میں گناہ معاف ہوتے ہیں جس میں تقاضائے ایمان پورا کرنے والے صاحبان ایمان کی روزی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس میں سال بھر نہ قبول ہونے والی دعائیں بھی قبول ہو جاتی ہیں مگر ہم کو اس مہینہ کا آنا ناگوار اور جانا پسند ہے کیونکہ ہم نے اس کو زحمت کا مہینہ سمجھ رکھا ہے۔ اس کی رحمتوں سے بے خبر ہیں لہٰذا رمضان کے ختم ہونے سے پہلے ہماری آنکھیں کھل جانا چاہئیں اور مغفرت، وسعت، رزق، قبولیت دعا کی رحمتیں سمیٹ لینا چاہئیں۔ ورنہ آنے والی عید یوم مسرت نہ ہوگی۔ بلکہ یوم غم ہوگی۔ یوم نفرت ہوگی۔ یوم غضب ہوگی قبر سے محشر تک ہم کو معلوم ہوگا کہ بے روزہ دار کی عید۔ گناہ گار کی عید کیسا غم دے گی۔ ملائکہ کی کیسی شدید نفرت کا سبب بنے گی۔ خدا و نبیؐ، امامؑ کے کیسے شدید غیظ و غضب کا سبب بنے گی۔ ہم جس عید کی تیاری لباس اور لذیذ کھانوں

سے کر رہے ہیں یہ سماجی تیوہار ہے۔ مسلمان کی عید نہیں ہے۔

اور نہ یہ عید محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے باعث زیادتی شرف و عزت وغیرہ ہے جیسا کہ نماز عید کے قنوت میں عید کی تفصیل بیان کی گئی ہے لہذا ہم کو عبادت۔ توبہ۔ صدقہ۔ مومنین سے ایثار و محبت اور ادائے حقوق کے ذریعہ جاتے رمضان سے برکت حاصل کر لینا چاہیئے اور آتی عید کا اسلامی استقبال کرنا چاہیئے۔

عید بندگی کی ترقی کا دن ہے تہوار نہیں

سماج انسانوں کے بہاؤ کا نام ہے ۔ بہاؤ بے قاعدہ بھی ہوتا ہے اور باقاعدہ بھی ۔ باقاعدہ بہاؤ کے لئے نہریں بنتی ہیں ۔ باندھ بنتے ہیں جن سے بنجر آباد ہوتے ہیں ۔ باغ سرسبز ہوتے ہیں ۔ کھیتیاں لہلہاتی ہیں ۔ فصلیں اُگتی ہیں ۔ میوے پھلتے ہیں ۔ بجلی پیدا ہوتی ہے ۔ گھر روشن ہوتے ہیں ۔ کارخانے چلتے ہیں ۔ آدمی راحت و آرام اٹھاتے ہیں ۔ اور بے قاعدہ بہاؤ سے سیلاب آتے ہیں کنارے کٹتے ہیں زمینیں برباد ہوتی ہیں اور مکان تباہ ۔ کھیتی ستیاناس ۔ باغ اجاڑ اور بستیاں ویران ہوتی ہیں ۔ اور تباہیاں ہی تباہیاں پھیلتی ہیں سماج یعنی انسانوں کے بہاؤ کو قاعدہ کے اندر رکھنے کی انسانی کوشش کا نام قانون و عدالت و حکومت ہے ۔ اور الٰہی کوشش کا نام دین و مذہب و شریعت ہے ۔ لیکن منہ زور سماج ہمیشہ قانون شکن بھی رہا ہے اور مذہب دشمن بھی ۔ سماج نے انسانوں کو رسموں کے ذریعہ بھی برباد کیا ہے ۔ اور تہواروں کے ذریعہ بھی تباہ کیا ہے ۔ رسمیں اور تہوار دونوں مطلق العنان ہیں ۔ مادر زاد آزاد ہیں ۔ صحیح یا غلط کے پیمانہ سے ان کو ناپنا ممکن نہیں ہے ۔ ان کو غلط کہنا ممکن نہیں ہے ۔ ان کی اصلاح کا نام لینا جرم ہے ۔ پاک پروردگار بھی معاذ اللہ ان سے چھوٹا ہے ۔ رسوم اور تہوار سب

بڑے ہیں۔ تہوار میں گھر پھونک تماشہ دیکھا جاتا ہے۔ تہوار میں پتھر مارے جاتے ہیں۔ کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ آدمی کو بن مانس بنا دیا جاتا ہے۔ گھروں سے نکلنا ناممکن بنا دیا جاتا ہے بلکہ گھروں میں گھس کر تہواروں کا ننگا ناچ ہوتا ہے نہ ہولی پر تنقید ہو سکتی ہے نہ نوروز کے بارے میں زبان کھولی جا سکتی ہے۔ دونوں تہوار ہیں۔ تہوار کو صرف سماج پیدا کرتا ہے۔ لیکن تہوار کو فوراً مذہبی بنا دیا جاتا ہے تاکہ اس کے سارے عیوب کو مقدس بنا کر تنقید سے بالاتر کر دیا جائے۔ مذہبی ہونے کے بعد نہ غیر لب کشائی کر سکتا ہے نہ اپنا زبان ہلا سکتا ہے۔ غیر لب کشائی کرے تو فرقہ وارانہ فساد ہو جائے۔ اپنا زبان ہلائے تو بے دین اور مرتد ہو جائے۔ مذہب کا ربط نہ رسموں سے ہے نہ کوئی بندھن تہواروں سے ہے۔ بلکہ مذہب دونوں کو بے اعتدالی۔ اسراف۔ ضیاع عقل و مال و وقت قرار دیتا ہے۔ منع کرتا ہے۔ اظہار بیزاری کرتا ہے۔ لیکن جس طرح یزید امیر المومنین بن بیٹھا۔ اسی طرح رسمیں اور تہوار مذہبی بن بیٹھے۔ شب برات کا حلوہ۔ عید کی سوئیں۔ بقر عید کے ماش چاول۔ نوروز کی رنگ بازی کا مذہب سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ مگر ان کی ادائگی فریضہ مذہبی سے برتر و اعلیٰ و اشرف ہے۔

۱۵ر شعبان کی رات عبادت میں بسر ہو۔ صبح امامؑ کے حضور میں حاضری ہو کسی کو اس کا خیال نہیں۔ رمضان کی ماہانہ عبادت کی انجام دہی کے شرف و مسرت کا نام عید ہے۔ مگر رمضان بھر خدا کا منہ چڑھایا (معاذ اللہ) اور عید کے دن ہر غریب کے زخم پر نمک چھڑکا۔ دن بھر گانا سنا اور تصور یہ کا اسلامی مقدس تہوار کو انجام دے رہے ہیں۔ جب عذاب کے سانچہ میں شخصیتوں۔ مالداروں بے دینوں کی ______

______ سیوئیاں

بنیں گی تب عید کی خرمستیوں کا پتہ چلے گا۔ بقرعید کا تعلق نہ اسلام سے رہ گیا ہے نہ ایمان سے یہ تو خالص مال داروں۔ دھنا سیٹھوں۔ اور زرداروں کے مقابلہ اور دکھاوے کا تہوار ہے۔ جانور قیمتی ہو۔ کئی جانور ذبح ہوں۔ بڑے جانور ذبح ہوں۔ کمپٹیشن ہو اور اس کا اشتہار ہو مختصر یہ کہ بقرعید جانوروں کا تہوار بن گیا۔ اسے انسان سے کیا تعلق مذہب کو بدنام کرنے کا ذریعہ ہے مگر نام ہے مقدس تہوار۔ عید۔ بقرعید کی نماز بھی تہوار ہے نہ صبح کی پڑھی نہ ظہر کی پڑھیں گے کیونکہ یہ نمازیں تو اللہ کی ہیں۔ عید۔ بقرعید کی نمازیں تو تہوار ہیں۔ نماز کے بعد گناہ گلے مل رہے ہیں اور عید ہو رہی ہے۔ سنیما جا رہے ہیں اور عید ہو رہی ہے جوا ہو رہا ہے اور عید ہو رہی ہے۔ انسان ذلیل کئے جا رہے ہیں اور عید ہو رہی ہے۔ اسلام ذبح ہو رہا ہے اور عید ہو رہی ہے یہ عید شیطان کی عید ہے۔ مسلمان کی عید نہیں ہے۔ مسلمان کی عید کی تعریف امیر المومنین علیؑ نے فرمائی ہے کہ اگر اعمال قبول ہو گئے تو عید ہے۔ اب بتائیے کہ اس سال عید آئی یا نہیں آئی۔ اسی سال کیا۔ کسی سال بھی عید آئی یا نہیں آئی۔ نہیں عید اس زندگی میں آ ہی نہیں سکتی جس زندگی میں رمضان نہیں آیا عید رمضان سے اور بقرعید حج سے جڑی ہے۔ رمضان ہے تو عید ہے۔ حج ہے تو بقرعید ہے۔ ورنہ رحمت بعید ہے اور عذاب قریب ہے۔ اس مضمون کے پڑھنے والے کہہ سکتے ہیں کہ جب عید کے بعد یہ مضمون لکھا گیا تو مضمون بھی عید کے بعد پڑھے۔ لیکن نہیں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تم ہر دن کو عید بنا سکتے ہو کیونکہ جو دن بغیر گناہ کے بسر ہو جائے وہ عید ہے۔ تو تہوار والی عید تو گذر گئی۔ ختم ہو گئی۔ لیکن بندوں کی عید۔ مسلمان کی عید۔ مومن کی عید۔ علیؑ کا کہنا ماننے والوں کی عید

باقی ہے ۔ اور ہمیشہ اس کا سلسلہ باقی و قائم رہے گا ۔

موت سے پہلے توبہ اور توبہ کے بعد قضا و کفارہ اور گناہ سے بچنا ہر دن کو عید بنا دے گا ۔ بغیر گناہ کے دن گذرتے جائیں اور عمر یوں ہی بسر ہو جائے تو موت کا دن عید اکبر کا دن ہے ۔ اس راز کو علیؑ کے اس برجستہ اور پرجوش فقرہ سے سمجھا جا سکتا ہے جو ابن ملجم کی مہلک ۔ قاتل ۔ جان لیوا تلوار کے لگنے اور سر کے گھائل ہو جانے کے بعد آپ کی زبان مبارک پر آیا تھا "کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا" آیئے علی کی بتلائی عید کے سلسلہ کو اپنی زندگی میں اپنے خاندان میں ۔ اپنے سماج میں شروع کریں اور تہواروں کے چکر کو ختم کر دیں اور رسموں کے بھنور سے اپنے کو نکال لیں ۔

محرم کے بعد

رات۔ دن۔ مہینہ۔ سال آتے جاتے رہتے ہیں اور عمریں تمام ہوتی رہتی ہیں جو کل تھے وہ آج نہیں ہیں۔ جو بچے تھے وہ جوان ہو گئے۔ جوان بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے مرحوم ہونے کے قریب ہیں۔ ہماری سماجی زبان میں مرحوم ہونا بڑی غمناک بات ہے۔ کسی کو مرحوم کہنا بدشگونی ہے۔ کوسنا ہے۔ فلاں صاحب دکھائی نہیں دے رہے ہیں مثلاً ہم نے پوچھا۔ سننے والے نے کہا آپ کو نہیں معلوم وہ تو تین مہینے ہوئے مرحوم ہو گئے۔ ہم نے اس خبر کو سن کر بار بار افسوس ظاہر کیا کہ وہ مرحوم ہو گئے اور ہمیں خبر نہیں ہوئی ہم ان کی میت میں شرکت سے محروم رہ گئے ان کی اولاد۔ ان کے گھر والے ان کی صورت دیکھنے۔ آواز سننے سے محروم ہو گئے اب جوان کا وارث ملا تو ہم نے تعزیت پیش کی۔ بڑا افسوس ہوا یہ معلوم کر کے کہ آپ کے والد مرحوم ہو گئے۔ انھوں نے بھی غم میں جوابی شرکت کرتے ہوئے کہا کہ جی ہاں ہم ان کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ کاش ابھی کچھ دن اور وہ مرحوم نہ ہوتے۔ سماجی زبان میں مرحوم کی حیثیت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ جبکہ لغت میں مرحوم کے معنی ہیں، جس پر خدا رحمت نازل کرے اور محروم اسے کہتے ہیں جو کسی نعمت کو نہ پا سکے۔ اسی بنا پر دعاؤں میں جب یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو آدمی مرحوم ہونے کی دعا مانگتا ہے مثلاً رمضان کے آخری جمعہ کو یہ دعا مانگی جاتی ہے کہ اس رمضان کو میری زندگی کا آخری رمضان نہ قرار دے لیکن اگر تیری مشیت میں یہ

طے ہو چکا ہے کہ یہ میری زندگی کا آخری رمضان ہے تو پھر اے خدا ہم کو مرحوم قرار دے یعنی مرنے کے بعد ہم تیرے عذاب سے محفوظ رہیں اور تیری رحمتوں کے مستحق قرار پائیں ۔ اے خدا ہم کو ہرگز ہرگز مرحوم کے بجائے محروم نہ قرار دینا ۔ اس دعا کی روشنی میں مرحوم کے لفظ کی حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ کس قدر خوش آئند لفظ ہے ۔ اس لفظ سے تمام تمنائیں اور آرزوئیں وابستہ ہیں ۔ اگر ہم اس لفظ کے مستحق قرار پا گئے تو پھر سب کچھ مل گیا اور اگر ہم مرحوم نہ ہو سکے تو پھر کچھ نہیں ملا ۔ لہٰذا مرحوم ہونا بڑی خوشی کی بات ہے اور محروم ہونا بڑے غم کی بات ہے ۔

سال کے بارہ مہینوں میں جس طرح رمضان بہت سی خصوصیتوں اور اہمیتوں کا حامل ہے ۔ اسی طرح محرم کا مہینہ بھی بڑی اہمیت و خصوصیت کا حامل ہے ۔ رمضان اللہ کا مہینہ ہے ۔ شعبان رسولؐ اللہ کا مہینہ ہے اور محرم نواسہ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کا مہینہ ہے ۔ بلکہ حسینؑ کا غم تو کم از کم ۲۰؍ صفر تک ورنہ ۸؍ ربیع الاوّل تک جاری رہتا ہے ایام عزا میں ماہ محرم کے ابتدائی دس دن ایسی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان دنوں میں دنیا کے ہر حصہ میں ہر قوم کسی نہ کسی شکل میں حسینؑ سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتی ہے ۔ ایسے بھی بہت ہیں جن کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کب محرم آیا اور کب چلا گیا مگر یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنی ہی خبر نہیں ہے کہ ہم دنیا میں کہاں سے آئے ہیں ۔ کیوں آئے ہیں کیا کرنا ہے اور کہاں جانا ہے تو ان کی بات تو جانے دیجئے کیونکہ ان کو نہ اپنی خبر ہے اور نہ مرنے کے بعد کی خبر رکھنا چاہتے ہیں البتہ وہ لوگ جو خدا کو جانتے ہیں ۔ جنت اور دوزخ کو مانتے ہیں ان کو محرم کے آنے کی ضرور خبر ہوتی ہے بلکہ ان کو محرم کے آنے کا بھی انتظار رہتا ہے اور محرم کے جانے کا غم بھی ہوتا ہے یہ محرم کا استقبال بھی آنسوؤں سے کرتے ہیں اور محرم کو رخصت بھی آنسوؤں سے کرتے ہیں

جس طرح جس دن حسینؑ پیدا ہوئے تھے اس دن بھی ان کے گھر والے رو رہے تھے اور جس دن آپ شہید ہوئے اس دن سے لے کر آج تک سب آپ پر رو رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کو افسوس ہے کہ عشرہ محرم ختم ہو گیا۔ اور ہم میں سے ہر ایک آدمی کی دعا بھی ہونا چاہیے کہ خدا کرے یہ ہماری زندگی کا آخری محرم نہ ہو اور اگر یہ ہماری زندگی کا آخری محرم ہو تو اے خدا ہم کو مرحومین میں قرار دے۔ محروموں میں شمار نہ فرما۔

لیکن ہم کو خود اپنا حساب بھی کرنا چاہیئے کہ ہم نے اپنے افکار و اعمال کے ذریعہ اپنے کو کس صف میں کھڑا کیا ہے۔ صرف تمنا سے کام نہیں چل سکتا۔ تمنا کے بعد حصول تمنا کی کوشش بھی ضروری ہوتی ہے۔ تمنا نہ ہو گی تو عمل کس کے لئے ہو گا لیکن عمل نہ ہو گا تو تمنا حاصل کیسے ہو گی۔ عشرہ محرم گذرنے کے بعد ہم رحمت کے مستحق اسی وقت قرار پائیں گے۔ جب ہم نے اپنی زندگی سے چن چن کر ہر وہ بات نکال پھینکنے کی کوشش کی ہو جو امام حسین علیہ السلام کو ناپسند تھی اور ہر اس بات کو اپنے میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہو جو امامؑ کو پسند تھی۔ حسینؑ کی پسند اور ناپسند کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دینی تعلیم حاصل کریں کم از کم توضیح المسائل ہمارے مطالعہ میں ہر وقت رہتی ہو۔ تاکہ ہر کام سے پہلے ہم معلوم کر سکیں کہ یہ کام جائز ہے یا ناجائز۔ ہم جن عبادات کو انجام دے رہے ہیں وہ صحیح طور پر انجام پا گئیں یا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم عبادت بھی کریں اور ہماری جہالت اس کو ضایع و برباد بھی کر دے۔ عبادتوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ فکر بھی ہونا چاہیئے کہ ہم گناہوں سے بچتے رہیں تاکہ ہماری عبادتیں قبول ہو جائیں۔ مثلاً جس مال میں زکوۃ یا خمس واجب تھا اگر اس سے ہم نے مجالس میں تبرک تقسیم کیا نذریں دیں تو ان نیکیوں کو قبول کرانے کے لئے لازم ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ

اور خمس کو ضرور نکال دیں تاکہ ہماری عزاداری قبول ہو جائے اگر ہم میں سے کوئی خدانخواستہ اپنے ماں باپ کا نافرمان ہے تو اس کو جلد از جلد اپنے والدین کو راضی کرنا چاہیئے تاکہ اعمال قبول ہوں۔

اگر ہم نے اپنے عزیزوں کو چھوڑ رکھا ہے تو واجب ہے کہ ہم ان سے عزیزدارانہ تعلقات جلد از جلد بحال کریں کیونکہ صلہ رحم (عزیزوں سے تعلقات) واجب ہے اور قطع رحم (عزیزوں کو چھوڑ دینا) حرام ہے۔ قطع رحم کرنے والے کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں جب تک سانس باقی ہے آس باقی ہے اگر ہم نے کل نہیں عمل کیا تو آج بلکہ ابھی ہم کو متوجہ ہو جانا چاہیئے توبہ کا دروازہ موت سے پہلے تک کھلا رہتا ہے۔ لیکن توبہ کے معنی ہیں اپنے کیے پر ایسی پشیمانی ہو کہ آئندہ اس غلطی کے دھرانے کی ہم میں ہمت نہ ہو جب تک ایسی شرمندگی نہ ہوگی۔ توبہ بے جان رہے گی۔ توبہ میں جان اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم کو یہ احساس ہو کہ ہم نے کس کی غلطی کی ہے۔ ہماری غلطی سے کون کون ناراض ہے۔ ہماری غلطی نے ہم کو کن بلاؤں میں اور کیسی آفتوں میں پھنسا دیا ہے۔ اس عذاب و سزا سے نجات پانے کا بس ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنے مالک کی ناراضگی کو دور کریں۔ اپنے اگلے اعمال سے اس کو راضی کریں توبہ کا یہی راستہ ہم کو جناب حرؑ نے کربلا میں دکھایا نہ صرف دکھایا بلکہ اس پر چل کر چلنا سکھا دیا۔ اگر حرؑ لشکر شام میں رہ جاتے تو محروم ہی محروم رہتے اور جب توبہ کا امتحان پاس کر لیا تو اب ان کا شمار ان مرحومین میں ہے کہ جو بھی ان سے وابستہ ہو جائے اس کی محرومیاں رحمتوں سے بدل جائیں۔ اے خدا ہم کو بھی توفیق دے کہ ہم تیری رحمتیں حاصل کر سکیں۔

جشن

جس کا چراغاں کردار کو روشن کردے

۱۴۰۵ھ میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا چودہ سو سالہ جشن ولادت منایا جا رہا ہے۔ جشن منانا اظہار عقیدت بھی ہے۔ تاریخ کو زندہ کرنا بھی ہے اور سیرت کو پیش کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اور زندہ قوموں کی نشانی بھی ہے۔

جب یہ پرچہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا اس وقت آپ جشن میں مصروف ہوں گے کامیاب جشن وہی ہے جس کا چراغاں کردار کو بھی روشن کردے۔ جس کی آرائش زندگی کو سلیقہ مند بنا دے۔ جس کے کرداری اثرات نسلوں میں منتقل ہوتے رہیں۔ ہماری قومی بد نصیبی یہ ہے کہ ہم بہتر سے بہتر کام کرتے ہیں مگر اس سے کمتر فائدہ بھی حاصل نہیں کرتے۔ تقریب مناتے ہیں مگر اپنے کو ممدوح کی سیرت سے قریب نہیں کرتے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی جامع وحاوی اور محیط شخصیت سے ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ مگر کم از کم چند باتیں ایسی ہیں جن کو فراموش کرنا ناممکن ہے۔

ہمارے گھروں میں لڑکیوں کی تربیت دو طرح سے ہوتی ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کو صرف ڈرنا سکھایا جاتا ہے۔ خوفزدہ گودوں میں پرورش پانے

والی لڑکی نڈر کیسے ہو سکتی ہے۔ اس تربیت کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر گھر پر کوئی آفت آجائے تو عورتیں اور لڑکیاں مصیبت میں اضافہ کر دیتی ہیں حالات سنبھالنے میں مدد دینے کے بجائے رکاوٹوں میں اضافہ کر دیتی ہیں اور بدترین صورت حال میں اپنی عزت کا تحفظ کرنے کی ہمت بھی نہیں رکھتی ہیں۔

دوسری تربیت جو اسکول کالج کی تعلیم کے رواج کے بعد شروع ہوتی ہے۔ چونکہ تعلیم کا مقصد نوکری کرنا اور روزی حاصل کرنا ہے۔ لہذا بے خوفی اور نڈری کی ایسی تربیت دی جاتی ہے کہ ماں باپ سے سرکشی خاندان والوں کی توہین۔ مذہب کا مذاق اڑانے کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کو صرف وہ "آزادی" ملنا چاہیئے جس کو حاصل کرنا ان کی تعلیم و تہذیب نے ان کو بتلایا ہے۔ چاہے اس راہ میں دین ایمان کا خاتمہ ہو جائے۔ چاہے شرم و حیا قربان ہو جائے۔ چاہے شرافت کا جنازہ نکل جائے۔ چاہے آبگینہ عزت چکنا چور ہو جائے۔ والدین۔ شوہر۔ اولاد سب کی زندگی بدمزہ ہو جائے مگر سوشل زندگی کی عصری آزادی کا ہونا ضروری ہے۔

دونوں غلط تربیتوں کے نقصانات آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے برخلاف لڑکی کو نڈر بنایا جائے مگر اس اصول پر کہ جو خدا سے ڈرتے ہیں وہ پھر کسی سے نہیں ڈرتے کیونکہ ان کی خدا مدد کرتا ہے اور نازک ترین حالات میں بھی احکام خدا کی پابندی کے ساتھ بدترین دشمن کا مردانہ وار مقابلہ خدا پر یقین و اعتماد کے سہارے کیا جا سکتا ہے۔

جناب زینبؑ نے ہم کو یہی خصوصی پیغام دیا۔ زمانہ میں شام عاشورہ اور شب غریباں سے زیادہ پر آشوب پر مصیبت وقت شاید نہ جمع ہوئے ہوں

مگر اس موقع پر جناب زینب کی قیادت میں سن رسیدہ خواتین نے اور کمسن بچوں نے جس طرح حالات کا مقابلہ کیا ہے ۔ اس کا اندازہ لگانا ان تقریروں سے بہت آسان ہے ۔ جو جناب زینبؑ نے جناب ام کلثوم نے ۔ جناب سکینہ نے کربلا ۔ کوفہ ۔ شام اور راہ اسیری میں کی ہیں ۔

ہم کو اپنے گھروں کی تربیت کو خوف خدا اور خدا کے ماسوا ہر ایک سے بے خوفی کی بنیاد پر کرنا چاہیے تاکہ ہمارے گھروں کی عورتیں ۔ لڑکیاں اور بچیاں نہ صرف اپنا تحفظ کر سکیں بلکہ دوسروں کی حفاظت کر سکیں بلکہ حفاظت کرنے والون کی مددگار ثابت ہوں ۔

آج اسلامی انقلاب نے جہاں اسلامی کردار کی ہر جھلک دکھائی ہے وہاں عورتوں کی پولیس پاسداران انقلاب عورتوں کے دستے ۔ کردار سازی کرنے والی خواتین کی جماعتیں ۔ کردار جناب زینب کو پیش کر رہی ہیں ۔ اس انقلاب کو ہمارے گھروں میں بھی آنا چاہیے تاکہ بے دینی کو گھر میں پناہ نہ ملے اور ہمارا ہر گھر ایک کرداری قلعہ بھی ہو اور کردار ساز انجمن بھی ہو ۔

جناب زینب نے غم بھی منایا ۔ ترجمانی بھی کی ۔ مصائب میں قیادت بھی کی اور ہر حال میں عبادت بھی کی ۔

جبکہ پابند دین عورتیں بھی سفر میں ۔ بیماری میں ۔ تیمار داری میں ۔ غمی میں ۔ شادی میں ۔ مہمانداری میں ۔ مہمان نوازی میں بلکہ کسی بھی غیر معمولی مصروفیت میں واجب عبادتیں بھی چھوڑ بیٹھتی ہیں اور معمولی مصروفیت میں بھی نماز قضا ہونے کے وقت ہی پڑھتی ہیں حالانکہ جناب زینبؑ نے قید خانہ میں اپنے حصے کا کھانا پانی دوسروں کو دے کر فاقہ کرنے اور کمزور ہو جانے کے باوجود بھی نماز ادا کی اور جس گھرانے میں مستحب نماز

بھی بیٹھ کر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اس گھر کی ممتاز ترین خاتون نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صرف قید خانہ میں نماز نہیں پڑھی بلکہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میری پھوپھی کی نماز شب بھی سفر اسیری میں قضا نہیں ہونے پائی۔ سیرت زینبؑ کو اپنانا سب سے بڑا جشن ہے جس سے شاہزادی مسرور ہوں گی۔

ہمارے گھروں کی عورتیں ذاتی طور پر اپنی عادتوں کی پابند ہیں اور سماجی سطح پر مہمل شکوک۔ لغو رسموں کی پابند ہیں۔ عادت یا رسم و رواج کے ترک کر دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہیں۔ لیکن دین کے اہم ترین واجبات کی مخالفت میں ان کو کوئی باک نہیں۔ عورتوں کا سماجی مزاج سمجھنا ہو تو اس فقرہ پر غور کیجئے

‘یہ شادی ہے شریعت نہیں ہے’، اگر ان کو مسائل بتلائے جائیں تو کان دھرنے پر تیار نہیں عمل کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مگر جناب زینبؑ نے مسائل کے علم کے باوجود آخری خیمہ کے جلنے کے وقت امام چہارم سے پوچھا کہ اس وقت حکم خدا کیا ہے جل کے مرجانا یا بغیر چادر کے باہر نکلنا۔ اگرچہ مرجانا آسان تھا مگر حکم خدا کی تعمیل کے لئے بی بی نکل آئیں اور سب کو نکال لائیں تاکہ وہ ہم کو پیغام دیں کہ ہر لمحہ کام سے پہلے حکم خدا معلوم کرنا بھی ضروری عادت ہے اور جل کر مرجانے سے بھی زیادہ تکلیف دہ حالات میں دینی خواہشات کے برخلاف حکم خدا کی تعمیل کرنا ہمارا مذہبی فرض ہے۔

جناب زینبؑ کی قیادت میں جو سفر اسیران کربلا نے طے کیا ہے اگرچہ وہ اپنی تمام نوعیتوں سمیت بے مثال ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے

اس کے باوجود اس کی اس ممتاز خصوصیت کو بھی یاد رکھنا شرافت تاریخ کا فریضہ ہونا چاہیے کہ اس کٹھن راہ میں نہ کوئی کمسن تیم رویا نہ مچلا نہ ضد کی بلکہ شریک سفر بھی رہا اور شریک مقصد بھی رہا۔

زینبؑ اپنے باپ کی زینت اسی لئے ان کا نام زین اب پڑا۔ کیا ہمارے گھر ہمارے گھروں کی عورتیں اور ہمارے بچے کردار زینبؑ کو اپنی زینت بنائیں گے۔

مسائل کو صرف قوانین شریعت کے ذریعہ حل کیجئے

مسائل کا تعلق جتنا محدود یا عام ہوتا ہے ۔ اسی حساب سے مسائل کی تعین کی جاتی ہے مثلاً انفرادی مسائل ۔ گھریلو مسائل ۔ خاندانی مسائل ۔ شہری مسائل ۔ قومی مسائل ۔ بین الاقوامی مسائل ۔ ہم قوم کو قومی مسائل کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان مسائل کی حیثیت بنیادی ہے اگر یہ حل نہ ہوں گے تو قوم کو محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا ۔

انسانی زندگی پیدائش سے موت تک جو سفر کرتی ہے ۔ اس کے چند اہم اسٹیشن ہیں جیسے پرورش ۔ تربیت ۔ تعلیم ۔ ذریعہ معاش ۔ شادی ۔ مکان ۔ خاندان ۔ احباب ۔ غیروں سے تعلقات ۔ دشمن سے بچاؤ ۔ اپنوں کی طرف جھکاؤ ۔ بیماری ۔ موت ۔

کچھ اسٹیشن ایسے ہوتے ہیں جہاں ایک سمت سے گاڑیاں آتی اور جاتی ہیں اور کچھ اسٹیشن ایسے ہوتے ہیں جہاں سے مختلف سمتوں میں گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں ۔ ایسے اسٹیشنوں کو جنکشن کہا جاتا ہے چونکہ انسانی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی امتزاج زندگی کے ہر مرحلہ میں باقی رہتا ہے لہٰذا ہماری زندگی کا ہر اسٹیشن جنکشن ہے مثلاً بچہ کی پرورش ماں باپ کرتے ہیں مگر پرورش انفرادی ہو کر بھی اجتماعی مسئلہ ہے ۔

مثلاً کتنے عرصہ کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہوتا کہ پہلے بچہ کی پرورش بخوبی ہو سکے ۔ یا ایسا انتظام کیا جائے کہ بیک وقت کئی بچوں کی پرورش ہو سکے ۔ پرورش میں شرکت کرنے والے ماں باپ ۔ بھائی ۔ بہن ۔ خالہ ۔ ماموں ۔ پھوپھی ۔ چچا وغیرہ کی آسائش بھی متاثر نہ ہو اور بچوں کی پرورش بھی متاثر نہ ہو ۔ آسائش میں وقت ، صحت ، عادات ۔ مشاغل سب ہی کو دخل ہے ۔ غرضکہ انسانی زندگی کا ہر اسٹیشن کسی مغلسرائے سے کم نہیں ہے مگر روزانہ مغلسرائے سے کم از کم دس ڈبے حرکت کرتے ہیں اور ہر طرف جانے والی گاڑیاں بہرحال مغلسرائے سے گذرتی ہیں تو ہر انسانی زندگی بھی روزانہ ہزاروں زندگیوں کے درمیان حرکت کرتی رہتی ہے ۔ اور لوگ ایک دوسرے سے ملتے اور الگ ہوتے رہتے ہیں ۔ غرضکہ انفرادی زندگی کے گرد اجتماعی زندگی کی بے شمار بیلیں لپٹی ہوئی ہیں اور زندگی کو یوں بسر ہونا ہے کہ فرد کی انفرادیت بھی پھولے پھلے اور اجتماعی زندگی کا کوئی ریشہ بھی کچلنے نہ پائے ۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا تال میل اتنا مشکل اور اتنا نازک اور اتنا باریک مسئلہ ہے کہ ہزاروں سال سے لاکھوں دانشوران گتھیوں کو سلجھانے میں لگے ہیں مگر ایک گرہ کھولتے ہیں تو دو گرہیں پڑ جاتی ہیں ۔ زندگی کی ڈور نہ سلجھتی ہے نہ توڑی جا سکتی ہے ۔ صرف عقل کے ناخن گھس جاتے ہیں اور فلسفے نڈھال ہو کر گوشہ گمنامی میں پڑ جاتے ہیں ۔

اس مشکل مسئلہ کو خدا نے اپنے ہاتھ میں اسی لئے لیا کہ خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہ کامل علم ہے ۔ نہ کامل حکمت ہے لہذا مکمل روش حیات اس کے علاوہ کوئی مرتب نہیں کر سکتا ہے ۔ اس نے زندگی کی تمام الجھنوں کو دین و شریعت کے ذریعہ سلجھا دیا مگر انسانوں نے دین ہی کو الجھا دیا ۔ شریعت

ہی میں دخل اندازی کر کے اس کی صورت بگاڑ دی ۔ لہذا جو دوا تھی اس سے مریض بھاگنے لگا اور جو مرض تھا اسے گلے لگانے لگا ۔ ہم بھی فکری ریگستان میں حیران و پریشان رہتے اور بھوکے پیاسے بھٹکتے رہتے مگر ہم کو خدا نے قرآن مجید عطا فرمایا اور نبیؐ و آل نبی علیہم السلام سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائی ۔ اگر ہم قرآن سے نبیؐ و اہلبیت علیہم السلام کی سربراہی میں ہدایت حاصل کریں تو راستہ کی تلاش کا بوجھ ختم ہو جائے گا شریعت کی شکل میں انسانی زندگی کی شاہراہ موجود ہے ۔ صرف ہم پر راستہ چلنے کی محنت کا بوجھ باقی ہے ۔ مگر ہم عمل سے جی چراتے ہیں اور ناحق فکر بیجا میں اپنی جان کھپاتے ہیں ۔ سارے مسائل کا واحد حل ایک اور صرف ایک ہے کہ شریعت کے احکام کی روشنی کے مطابق ان کو حل کیا جائے اور شریعت کے مقرر کردہ قوانین پر عمل کیا جائے ۔ بچہ کے کانوں میں اذان و اقامت دینے کا حکم دیا گیا تاکہ ہم دونوں کانوں کو کھول کر سن لیں کہ ہم کو ولادت سے موت تک ہر مرحلہ میں دینی حدود میں رہنا ہے ۔ لہذا پرورش تربیت ۔ تعلیم ۔ شادی ۔ مکان ۔ خاندان ۔ احباب ۔ غیروں سے روابط دشمن سے بچاؤ ۔ اپنوں کی طرف جھکاؤ ۔ بیماری ۔ موت سب جگہ ہم کو پابند دین رہنا ہے ۔ یعنی پرورش میں حرام یا نجس غذائیں بچہ کو نہ دی جائیں جہاں خون یعنی وراثت کے اثرات منتقل ہوتے ہیں ۔ وہاں غذا بھی اپنے اثرات ڈالتی ہے ۔ اسی لئے حکم ہے کہ شادی شریف خاندانوں میں کرو (خدا کی نگاہ میں شرافت انسانی کا نام صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے) اور یہودیہ کا دودھ نہ پلواؤ ۔ تاکہ نہ خراب خون سے پیدائش ہو نہ خراب خون پیدا ہو ۔ سور کا گوشت کھانے والوں میں اس قدر بے حیائی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی بے حرمتی کو اپنی نگاہوں سے بھی برداشت کر لیتے ہیں جب

پرورش دینی حدود میں لازم ہے۔ تربیت۔ تعلیم۔ شادی۔ مکان اور دوسرے سارے مسائل بھی پابندی دین کے ساتھ حل ہونا چاہئیں۔

ناوابستہ کانفرنس کے موقع پر صدر ایران حجۃ الاسلام خامنہ ای کی آمد پر ہندوستانی شیعہ علما کو دہلی مدعو کیا گیا۔ صدر نہیں آسکے۔ وزیر اعظم آئے۔ جب سفیر ایران علما سے الوداعی ملاقات کرنے آئے تو انھوں نے ایک بڑی قیمتی بات کہی۔ جس کی طرف آج قوم کا کوئی آدمی متوجہ نہیں ہے۔

سفیر نے کہا تھا۔ " جب تک آپ اپنی قوم کی تعلیم کا خود انتظام نہیں کرتے اس وقت تک نہ آپ کا مذہب محفوظ رہے گا نہ ملت باقی رہے گی "۔

یہ کہہ کر گذر جانا تو ممکن ہے کہ یہ کام ناممکن ہے۔ مگر سب جانتے ہیں کہ عمل اور جذبہ ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ پھر جب مرض کا دفعیہ علاج سے ممکن ہے اگر ہم علاج کو ناممکن کہہ کر ٹال دیں تو موت یقینی ہے۔

غیروں کے ماحول میں تعلیم پانے والے۔ غیروں کے پڑوس میں رہنے والے۔ غیروں کے ہجوم میں نوکری یا کاروبار یا مزدوری کرنے والے غیروں کو دوست اور احباب بنانے والے۔ اپنی دنیا و آخرت دونوں کو برباد کر لیتے ہیں۔ اگر ذہن اور انداز فکر و عادات غیر اسلامی ہوگئیں تو پھر مسلمان نام کس کام کا۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم پوری قوم کو پوری طرح فطرہ۔ زکوٰۃ۔ خمس نکالنے پر آمادہ کریں اور تمام اقوام شرعیہ کو مکمل طور پر صحیح ہاتھوں تک پہنچائیں یہ ہاتھ جہاں دیانت دار ہوں اتنے لمبے اور ان تھک محنت کرنے والے ہوں کہ رفتہ رفتہ سہی پوری قوم کے مسائل تعلیم و تربیت شادی و ذریعہ معاش وغیرہ کو دینی بنانے کا سامان فراہم کریں۔

آج نجس غذائیں ۔ ناجائز آمدنیاں ۔ ملحد تعلیم ۔ غیر اسلامی انداز فکر ۔ خلاف اسلام شادیاں ۔ حرام ملازمتیں اور تجارتیں تباہ کن اور حرام رسمیں شادی اور غمی کے مواقع پر ہمارے درمیان رائج ہیں ۔ ہم ملحد پڑوسیوں میں جذب ہو گئے ہیں ۔ رسموں کے ہاتھوں ایک آدمی کی موت خاندان اور وارثوں کو زندہ در گور کر دیتی ہے ۔ ہماری شادیاں ایسی مالی اور اخلاقی تباہیاں لاتی ہیں ۔ جن تباہیوں کا سلسلہ نسلوں کو متاثر کرتا ہے ۔ کسی نومسلم اور نئے شیعہ کو قبرستان میں قبر کی جگہ کے علاوہ ہماری سوسائٹی میں کوئی جگہ نہیں ملتی ہے ۔ نہ ہم اس کو لڑکی دیں گے نہ اس کی لڑکی لیں گے ۔ ہم مسلمان ہو کر طبقات میں تقسیم ہیں ۔

لڑکی بوڑھی ہو جائے یا شرافت میں مر جائے مگر ہم دوسرے طبقہ میں رشتہ نہیں کر سکتے ۔ معذور لڑکے لڑکیاں والدین اور خاندان کے افراد کے ذہنوں کو مفلوج کر دیں مگر ہم تعداد ازواج کے ذریعہ یا متعہ کے ذریعہ بھی ان کے مسائل حل کرنے سے معذور ہیں ۔ کیونکہ ہم سب کچھ ہیں مگر نام سے زیادہ مسلمان نہیں ہیں ۔

دین چھوڑنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔ لیکن ہم دنیا اور اپنے خاندان و معاشرہ کے ڈھرے کو نہیں چھوڑ سکتے ۔

ایک اکیلا تنظیم المکاتب قوم کو ان مسائل کی طرف ۱۶ ، ۱۷ سال سے آواز دے رہا ہے ۔ اس کی آواز میں آواز ملائیے ۔ قدم سے قدم ملائیے ۔ اور پابندی دین کا سفر شروع کیجئے ۔ خوف ۔ شرم ۔ ہچکچاہٹ ختم کیجئے اور غور سے کان لگا کر سنئے ۔ ہمارا امامؑ ہم کو چلنے آگے بڑھنے

کے لئے آواز دے رہا ہے ۔ کیا غلام اپنے امامؑ کی آواز پر دھیان نہ دیں گے ۔ تو پھر کل کیا منہ دکھائیں گے ۔ دینی تعلیم کو عام کیجئے ۔ دینی پابندی کو عام کیجئے پابند دین معاشرہ کو پیدا کیجئے ۔ زندگی کو صرف حدود دین میں بسر کیجئے اور مسائل کو فقط قوانین شریعت کے ذریعے حل کرنے کی عادت ڈالئے ۔ پھر دیکھئے کہ دنیا ہی جنت بن جاتی ہے یا نہیں ۔

عذاب خدا سے صرف شریعت کی پابندی بچا سکتی ہے

جاننا بہتر ہے نہ جاننے سے ۔ یہ بات سو فیصدی درست ہے اور زندگی کے کام مسائل کی بنیاد ہے ۔ البتہ کبھی نہ جاننا بہتر محسوس ہوتا ہے جاننے سے ۔ مثلاً انسانوں کے عیوب جاننے کے لئے گن دسنی سے کام لینا اور چھپ کر گفتگو سننا ۔ ایک موقع ہے ۔ جہاں نہ جاننا بہتر ہے جاننے سے ۔ لیکن ایسے مواقع اور ایسے مقامات جہاں نہ جاننا بہتر معلوم ہوتا ہے اگر ہم ان مواقع اور مقامات کی چھان بین کریں گے تو اس حقیقت تک پہنچیں گے کہ در حقیقت علم ہر جگہ بہتر ہے ۔ اور نہ جاننا ہر جگہ بدتر ہے ۔ البتہ کبھی جاننا اور بتلانا اس لئے ممنوع قرار دیا جاتا ہے ۔ کہ جس کو بتلانا ہے ۔ اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اس علم کا متحمل ہو سکے ۔ اور تحمل سے زیادہ بوجھ ڈالنا ممنوع ہے ۔ ہوا ۔ پانی ۔ غذا ۔ روشنی سب مفید چیزیں ہیں ۔ بلکہ زندگی کے لئے لازم ہیں ۔ جن کا نہ ملنا ہلاکت اور موت کا سبب بن سکتا ہے لیکن کبھی یہ چیزیں بھی ممنوع ہو جاتی ہیں مگر نہ اس لئے کہ ان کی خوبی ختم ہو گئی بلکہ اس لئے مریض نمونیہ یا ہیضہ کا شکار ہے یا آنکھ کا آپریشن کرایا ہے تو ایسے حالات میں ہوا ۔ پانی ۔ غذا اور روشنی سے مریض کو روک دیا جاتا ہے ۔

اسی طرح جب صلاحیت نہ ہو تو بتلانا ممنوع ہو جاتا ہے لیکن یہ خرابی

علم کی نہیں ہے بلکہ جاننے والے کی خرابی و کوتاہی ہے مثلاً بہت سی باتوں کا بتانا بچوں کے لئے مناسب نہیں ہوتا ہے لیکن جب وہ جوان ہو جائیں تو ان کو وہی باتیں تبلانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چوری۔ قتل۔ اغوا کے پلان کیسے بنائے جاتے ہیں ان کا عوام کو بتلانا مضر ہوتا ہے چنانچہ آج فلموں کے دیکھنے والے اور ناولوں کے پڑھنے والے نہ معلوم کتنے نوجوان ہیں جنھوں نے فلم اور ناول کی بنیاد پر جرائم کئے ہیں۔ لیکن جن افراد کو مجرموں کو بے نقاب کرنے کی تربیت دی جاتی ہے ان کو ایسے تمام پلانوں کے بنانے کے طریقہ کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ مجرم کی راہ کو پہچان کر مجرم تک پہنچ سکیں اور اس پر ہاتھ ڈال سکیں اور انسانوں کو مجرم کے خوف و دہشت سے نجات دلا سکیں۔

مختصر یہ کہ درحقیقت سو فیصدی۔ صد در صد۔ سنٹ پرسنٹ جاننا ہی بہتر ہے۔ علم ہی افضل ہے۔ تبلانا ہی خدمت ہے۔ نہ جاننا ہی عیب ہے۔ جہالت اندھیرا ہے۔ رذالت و ضلالت ہے۔ گمراہی ہے اور نہ تبلانا گمراہ کرنا ہے۔ اپنے قبضہ میں رکھنے کا ظالمانہ وسیلہ ہے۔ انسانوں کو ہمیشہ جاہل رکھ کر لوٹا اور کھسوٹا گیا ہے۔ اور ہر نفع خور ہمیشہ علم کا مخالف رہا ہے۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے جسموں اور ذہنوں پر جتنے زخم آئے ہیں وہ سب جہالت کے ہاتھوں لگے ہیں۔ دین و شریعت جہالت کے ہاتھوں ہمیشہ مجروح ہوئی ہے۔ جب جہالت کے ہاتھوں نسلیں موت کے گھاٹ اتاری جا رہی تھیں اور سردار قبیلہ کی جھوٹی عزت پر چالیس چالیس سال خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ اور خون کی ندی میں سرداری۔ حکومت و عزت کی سنگدل کشتی چل رہی تھی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جاہلوں کو تعلیم دینا چاہی تاکہ ان کے مصائب کا خاتمہ ہو جائے تو تمام نفع خور نہ صرف حضورؐ کے دشمن ہو گئے۔ بلکہ انھوں نے ان ہی مصیبت زدہ افراد کو حضورؐ کے مقابلہ پر میدان جنگ لا کھڑا کیا۔ اور مصیبت زدہ افراد نے نہ صرف اپنے مصائب میں اضافہ کیا بلکہ حضورؐ پر بھی مصائب کے پہاڑ توڑے اور حضورؐ کے بعد مصائب کے پہاڑ صدیوں ائمہ معصومین علیہم پر توڑے گئے۔ یہ صرف جہالت کے کرتوت تھے اور ہیں۔ جہالت نے جو کچھ کفر کے ذریعہ کیا وہ سارے کام اسلام کے نام پر کئے۔ دین کے نام پر بے دینی کی ترویج کا مکروہ و سفاک و مکار کام کل بھی جاری تھا اور آج بھی جاری ہے۔ اس سفاکی کا اختتام تو اسی دن ہوگا جس دن امیر عدل عج کا ظہور ہوگا۔ لیکن زمانہ غیبت میں چراغ کی لَو کو اونچی کرتے رہنا۔ دین کی تعلیم کو عام کرنا۔ عوام کو جہالت سے بچانے میں منہمک رہنا ہم سب کا فریضہ ہے اگر اس میں ذرا کوتاہی یا کمی کی تو ہم سب کو خدائے قہار کے غضب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور سربراہان ایمان و تقویٰ کے غصہ و نفرت کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہمارے نبیؐ ولیؑ اپنے نام لیواؤں کو صرف اور صرف دیندار و پرہیزگار و متقی دیکھنا چاہتے ہیں۔ حضورؐ کا مشن۔ کیا عوام کیا خواص ہر فرد بشر کو اسلام سے واقف کرانا اور مکمل پابند اسلام بناتا تھا۔ جو نبوت کا مشن تھا وہی امامت کا مشن ہے۔ اور ہر مسلمان و مومن و عاشق رسولؐ و آل رسولؑ کا چلن یہی تھا۔ یہی ہے۔ اور یہی رہے گا کہ وہ دین جانے اور عملاً اس کی پابندی کرے اور پابندی کرائے۔ اس سے بڑی کوئی بدچلنی نہیں ہو سکتی کہ ہم دین کو مانیں۔ دین کے بھیجنے والے خدا۔ دین کے لانے والے نبیؐ۔ دین کے پھیلانے اور بچانے والے اماموںؑ کو مانیں مگر نہ دین کو جانیں نہ اس پر

عمل کریں بلکہ دانستہ یا نادانستہ گمراہیوں میں ایک دوسرے کے مددگار نہیں اور گمراہیوں کی تاریکیوں کو گہرا اور گھٹاٹوپ بنانے میں حصّہ لیں۔

دین کے دو حصے ہیں اصول دین و فروع دین۔ اصول دین کا جاننا کافی نہیں ہے۔ بلکہ سمجھنا ضروری ہے صرف سن کر مان لینا کافی نہیں۔ اور فروع دین کا بھی جاننا کافی نہیں بلکہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ چونکہ انسانوں میں عوام اور خواص سب ہی ہوتے ہیں۔ سب کی ذہنی صلاحیت اور علمی استعداد برابر نہیں ہوتی ہے۔ لہذا مذہب اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جو سب سے کم صلاحیت و استعداد والا بھی اٹھا سکے۔ لھذا اصول دین مین ایمان اجمالی کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو شخص بھی توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت کے معنی سمجھ لے اور ان کو دلیل کے ذریعہ مان لے وہ مومن ہو جائے گا۔ دقیق مسائل کو اگر نہیں جانتا ہے تو بھی غیر مومن نہیں قرار پائے گا۔ کیونکہ تفصیل جانے بغیر وہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو نبیؐ نے کہی ہیں کیونکہ اگر تفصیلی ایمان کو معیار قرار دیا جائے تو کم علم اور کمزور ذہن والے ایمان سے محروم رہتے۔ البتہ جو صاحبان علم و فکر ہیں ان کا موقع ہے کہ وہ اصول دین کی تفصیل کا علم حاصل کریں۔ دقیق مسائل کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کے قابل ہو سکیں لیکن یہ خواص (علما) کا فریضہ ہے۔ عوام کا فریضہ نہیں ہے۔ عوام کے سامنے اگر دقیق مسائل رکھے گئے تو ان کے گمراہ ہو جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

اسی طرح فروع دین میں بھی احکام خدا کا قرآن و حدیث سے تفصیلی علم حاصل کرنا عوام کا فریضہ نہیں قرار دیا گیا بلکہ یہ فریضہ خواص یعنی فقہاء کو قرار دیا گیا ہے کہ وہ تفصیلی دلائل کی روشنی میں ہر حکم خدا کو معلوم کرتے

رہیں۔ اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ مسائل کو فقہائے سے معلوم کرتے رہیں جن کی ان کو ضرورت پڑتی رہے اور عمل کرتے رہیں۔ کیونکہ ہم پابند ہیں کہ کوئی کام حکم خدا کے خلاف نہ کریں۔ احکام خدا کا علم حاصل کئے بغیر ہم اس پابندی پر نہ پورے اتر سکتے ہیں اور نہ اپنے کو عذاب خدا و سزا سے محفوظ رکھ سکتے ہیں ہماری سوسائٹی میں یہ خرابی پیدا ہو گئی ہے کہ ہم گناہ کو آسان سمجھتے ہیں اور عذاب و سزا سے اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ اس عہد کی اہم ترین ضرورت یہی ہے کہ پوری سوسائٹی میں یہ مزاج رائج ہو جائے۔ رچ اور بس جائے کہ ہم پر صرف شریعت حاکم ہے یہی فرمان خدا و رسولؐ و امام ہے۔ اور شریعت کے احکام کا علم صرف فقیہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ غیر فقیہ کا فریضہ صرف تقلید ہے۔ قیاس آرائی۔ تک بندی کی کوئی گنجائش شریعت میں نہیں ہے یہ مزاج بھی سوسائٹی میں پیدا کرنا ضروری ہے کہ چھوٹے بڑے کام سب کاموں میں ہم کو ہر حالت میں نافرمانی سے بچنا ہے۔ زنا بھی حرام ہے اور گانا۔ باجہ بھی۔ نامحرم کو دیکھنا۔ چھونا بھی حرام ہے۔ اور ڈاڑھی منڈانا بھی حرام ہے۔ ائمہ معصومین علیہم السلام نے ہم کو متوجہ اور متنبہ کیا کہ معمولی سی معمولی نافرمانی سے بھی بچو اس لئے کہ اگر نافرمانی معمولی بھی ہو تو جس خدا کی نافرمانی کر رہے ہو وہ عظیم ہے۔ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ مکرر نافرمانی عظیم گناہ بن جاتی ہے۔ چہ جائیکہ مسلسل نافرمانی۔ جس کا بدنصیبی سے ہماری سوسائٹی میں رواج ہو گیا۔ گناہ کے رواج کے بجائے پابندی شریعت کا رواج پیدا کرنا ہی دین اور مومنین کی خدمت ہے۔ امام زمانہؑ اپنے غلاموں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کون کون اٹھتا ہے اور اس مہم میں شریک ہوتا ہے۔

کیا ہم رسموں میں جکڑے ہی رہیں گے

سرکار خطیب اعظم طاب ثراہ کا یہی وہ فکر انگیز اصلاحی اور تعمیری مضمون ہے جو اکتوبر ۸۲ء میں الواعظ کے ذبح عظیم نمبر میں اس کے صفحہ ۳۷ پر شائع ہوا تھا صنعت تحریف میں کمال کہنہ مشقی کا ثبوت دیتے ہوئے مولانا عبد العلی صاحب فاروقی کاکوروی نے اس مضمون کا ایک ایسا حصہ جس کا تعلق رسموں کے خلاف تھا اپنی کتاب میں نقل کر کے قاری کو یہ تاثر دینے کی کوشش ناکام کی ہے کہ مولانا سید غلام عسکری صاحب خدانخواستہ عزاداری کو رسم سمجھتے ہیں۔ مولانا عبد العلی صاحب فاروقی سے زیادہ کمال عداوت کا مظاہرہ سرکار خطیب اعظم طاب ثراہ کے سیاسی حریفوں اور مذہبی دشمنوں نے کیا ہے جو فاروقی صاحب کی کتاب کو بغل میں دبا کر گلی گلی عوام کو بھڑکانے کے لئے یہ کہہ کر دکھاتے پھر رہے تھے کہ دیکھئے مولانا غلام عسکری صاحب نے عزاداری کے خلاف لکھا ہے جس کا حوالہ فاروقی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دیا ہے۔ جبکہ شیعیت کے خلاف فاروقی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں اجلہ علمائے شیعہ ائمہ معصومینؑ اور قرآن مجید کا حوالہ بھی دیا ہے اگر صرف فاروقی حوالہ سے سرکار خطیب اعظم کو دشمن عزا کہا جاسکتا ہے تو اجلہ علمائے شیعہ، ائمہ معصومینؑ اور اللہ تعالیٰ کو کیا دشمن شیعیت کہنے کی جرأت کسی میں ہے؟

ہم یہ مضمون اسی لیے شائع کر رہے ہیں تا کہ اربابِ نظر پورا مضمون
پڑھ کر خود فیصلہ کریں کہ فاروقی صاحب اور مخالفین سرکار خطیب اعظم
کی تحریف اور ان کی کذب بیانی سے ممکن گمراہی کا سد باب ہو سکے ۔

(ادارہ)

ریشم کا کیڑا خود اپنی آزادی کھوتا ہے ۔ ریشم پیدا کرنے کے لیے منہ سے تار نکالتا ہے پھر انھیں تاروں میں اپنے کو مقید کرتا جاتا ہے اور ایک دن اپنے بنائے خول میں گھٹ کر مر جاتا ہے زندگی چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی جب اس کو رسمیں بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو رسمیں ایجاد ہوتی ہیں رسموں کے ذریعہ گھریلو زندگی میں شادی اور غمی کی تقریبوں میں رونق طرفہ بڑھ جاتی ہے مگر آخر میں ہم بھی ریشم کے کیڑے کی طرح رسموں کے خول میں گھٹ گھٹ کر اپنی آزادی ، بے فکری ، ایمان ، شرافت ، خوشحالی حتیٰ کہ ذریعہ معاش کو بھی موت کی نیند سلا دیتے ہیں رسمیں زندگی کو موت سے بدتر بنا دیتی ہیں مگر ہم اپنے کو اپنے ہاتھوں مجبور کر چکے ہوتے ہیں لوگ کہتے ہیں خود کردہ را علاج نیست لیکن اس مقولے میں ترمیم ممکن ہے کیونکہ جب ہم اپنے ہاتھوں تباہی لائے ہیں تو ہم ان کے ذریعہ نجات بھی حاصل کر سکتے ہیں رسم یعنی وہ کام جو بغیر کسی سبب کے بغیر کسی معقولیت کے کیا جاتا ہے اس کی منطق بس یہی ہے کہ ہوتا آیا ہے لہٰذا ہو گا رسمیں جاہلوں اور غیر ترقی یافتہ لوگوں میں بھی ہوتی ہیں اور تعلیم یافتہ اور ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے والوں میں بھی ہوتی ہیں ، جاہلوں میں ماش چاول پکتے ہیں ، پڑھے لکھوں میں کیک کٹتے ہیں ۔ نہ اُس کی کوئی وجہ ہے نہ اِس کی کوئی وجہ ہے ۔

رسم لسانِ جاہلیت ہے اور جاہلیت جاہلوں اور پڑھے لکھے دونوں

طرح کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ جاہلیت سے نہ سوسائٹی ٹکر لیتی ہے نہ علم نہ عقل نہ قانون نہ حکومت نہ اخلاق بلکہ اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے، کہہ کر رسم کے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبا دیا جاتا ہے۔ اور پھر سب دب کر رسم کی عملی بالاتری مان لیتے ہیں صرف دین، مذہب اسلام رسموں سے ٹکر لیتا ہے مگر واہ رے اہل مذہب کہ انھوں نے مذہبی رسموں کی ایجاد کر ڈالی جب کہ مذہب میں رسم نام کی کوئی چیز پائی نہیں جا سکتی کیوں کہ جو کام ہم کر رہے اگر اس کا حکم خدا نے دیا ہے اور نبیؐ یا امام سے اس کی ہدایت ملی ہے تو وہ کام رسم نہیں ہے عبادت ہے، اطاعت ہے اور اگر ہم نے اس کا کرنا خود لازم قرار دے لیا ہے تو وہ ہماری ایجاد کردہ ہے اس میں مذہبیت کیسے پیدا کی جا سکتی ہے ہماری ایجاد کو مذہب سے منسوب کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔ مذہب الگ ہے۔ رسم الگ ہے۔ ان دونوں کو مذہبی رسم کے ذریعہ متحد کرنے کا کوئی عقلی شرعی جواز نہیں ہے۔

رسوم اکثر مال و وقت و جسمانی و ذہنی توانائی وغیرہ کی بربادی کا ذریعہ بنتی ہیں مذہب ان سب کا تحفظ کرنے آیا ہے ان کو برباد ہونے سے بچانے کے لیے آیا ہے لہذا مذہب اور رسم کی سیدھی ٹکر تو ہو سکتی ہے لیکن ان کے درمیان مذہبی رسوم کے نام پر فرضی صلح نہیں کرائی جا سکتی ہے۔ یہ فرضی صلح نہیں ہے بلکہ مذہب سے روگردانی ہے اور قدیم ترین بت "رسم" کی پوجا اور پرستش ہے زیادہ سے زیادہ مذہب جن کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں خاموش ہے یعنی جن کو مباح کہا جاتا ہے اگر کوئی رسم مباح کی حد تک ہے تو اس کو جائز رسم کا نام دیا جا سکتا ہے لیکن کسی مباح کو بھی لازم کر لینے کے بعد جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان خرابیوں کے بعد

اس جائز رسم کا بھی جائز رہنا مشکل ہے۔ رسم جائز ہو یا ناجائز بہر حال یہ طے ہے کہ مذہبی رسوم نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور نہ کسی کو حق ہے کہ کسی غیر مذہبی چیز کو... وہ مذہبی قرار دے دے ضرورت ہے کہ رسموں کو ختم کیا جائے۔ مٹایا جائے۔ اور خاص طور پر اس توہم پرستی کو ختم کیا جائے جو رسوم کا سب سے بڑا سہارا ہے بلائیں واجبات چھوڑنے اور گناہ کرنے پر آتی ہیں کسی رسم کے چھوڑ دینے پر کسی بلا کے آنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے البتہ رسوم کو چھوڑنے پر بلائیں دور ہو سکتی ہیں اور اگر کوئی بلا دور نہ ہوگی تو کم از کم رسموں کی پابندی سے جو مالی، معاشی، اقتصادی، ذہنی، اخلاقی بلائیں پیدا ہوتی ہیں وہ تو دور ہو جائیں گی۔

زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہماری عزاداری کو بھی رسموں نے جکڑ لیا ہے جس کے نتیجہ میں قریب ہے کہ عزاداری صرف ایک غمگین تقریب کی حیثیت اختیار کر لے اور واقعہ کربلا سے جو ایمانی، علمی، عملی، اخلاقی، انقلابی سبق ہم کو حاصل کرنا ہیں ہم ان سے بالکل محروم ہو جائیں۔

مجلس، جلوس، ماتمی انجمن، ذاکری، تبرک کی تقسیم، دسترخوان غرضکہ عزادری سے متعلق تمام باتوں پر رسموں کی گرفت مضبوط ہوتی جاتی ہے اور ہم انقلابی عزادار ہونے کے بجائے رسموں کے پرستار کھوکھلے عزادار ہوتے جا رہے ہیں۔

مگر صورتِ حال قابلِ اصلاح ہے۔ البتہ پہلے ہم اصلاح کی نیت کریں۔ صرف کسی ایک کی اصلاح کی نیت کافی نہ ہوگی۔ بلکہ ہر عزادار کو اصلاح کی نیت کرنا ہوگی۔ صرف نیت کافی نہ ہوگی۔ بلکہ اصلاحی اقدام بھی کرنا ہوں گے اور اصلاحی اقدام کے وقت ویسا ہی ہوشیار اور چوکنا

رہنا ہوگا جیسی ہوشیاری کی ضرورت اُن معماروں کو ہوتی ہے جو پرانی عمارت کے بوسیدہ اجزا کو بدلتے ہیں۔ مثلاً چاروں دیواروں میں سے ایک دیوار کو بدلنا ہے یا دوسری منزل کو باقی رکھتے ہوئے پہلی منزل کی چھت بدلنا ہے۔ نئی عمارت بنانے اور پرانی عمارت ڈھانے سے کہیں زیادہ مشکل کام ہوتا ہے پرانی عمارت کی بنیادوں کو باقی رکھتے ہوئے اس کے کمزور اور بوسیدہ حصّوں کو بدلنا۔

رسموں اور خصوصاً عزاداری اور ذاکری وغیرہ سے متعلق رسموں کو بدلنے کے لئے جو اصلاحی اقدام کئے جائیں اس میں بنیاد کو باقی رکھنا ہے اور رسوم کو نکال دینا ہے لہٰذا احتیاط لازم ہے کہ عقیدہ اور عقیدت کے جذبات کچلنے نہ پائیں اور اصلاح بھی ہو جائے اس کا راستہ صرف یہی ہے کہ قوم کی مذہبی واقفیت میں بھرپور اور مسلسل اضافے کی کوشش کی جائے ان کو مسائل بتائے جائیں ان کے سوالات حل کیے جائیں ان میں فکرِ آخرت پیدا کی جائے دینی پابندی دین کا جذبہ ابھارا جائے ان کو واجبات سمجھائے جائیں اور گناہوں سے ڈرایا جائے۔ توہم پرستی، شک، ناواقفیت، جہالت، اور جاہلیت سے ٹکر لینے کے لیے ان کے ذہن کو علمی اور مذہبی بنایا جائے۔ یہ کام بانی مجلس کو بھی کرنا ہے، ماتمی دستہ کے سکریٹری کو بھی کرنا ہے، ہر چھوٹے بڑے ذاکر کو بھی کرنا ہے، ہر رسالہ کے محترم ممبر کو بھی کرنا ہے، ہر حسینی شاعر کو بھی کرنا ہے۔ بگڑے ایرانی سنبھل گئے۔ کیا یہ بگڑے ہندستانی نہیں سنبھل سکتے۔

اگر نہیں سنبھل سکتے تو کیوں؟ اور اگر سنبھل سکتے ہیں تو کب اور کیسے؟ کیا صرف سوچتے رہیں گے یا اٹھ کھڑے ہونے کا فیصلہ بھی کریں گے۔؟

مستقبل کی تعمیر ہمارے ہاتھ میں ہے

کسی کا مقولہ ہے کہ ایمانداری دیکھنا ہے تو لاکھوں۔ ہزاروں اور سینکڑوں میں نہ دیکھو۔ بلکہ پیسوں میں دیکھو۔ اس لئے کہ ہر شخص سماجی بدنامی سے بہر حال ڈرتا ہے لہٰذا الگ الگ حالات کی بنا پر کوئی لاکھ کوئی ہزار کوئی سو روپیہ کی بے ایمانی کرتے ڈرتا ہے کہ بدنام ہو جائے گا۔ لیکن واقعی ایماندار وہ ہے جسے سماج کا خوف نہ ہو بلکہ خدا کا خوف ہو اور ایسا شخص ایک پیسہ کی بھی بے ایمانی نہیں کر سکتا۔ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے دو آدمی ملنے کے لئے آئے۔ انھوں نے سماج اور حکومت میں اپنی امتیازی جگہ بڑی جانفشانی سے بنائی تھی۔ اور مولائے کائنات کی عادل حکومت میں ان کو اپنی سماجی برتری کے بے نشان ہونے کا سخت خطرہ لاحق تھا۔ وہ علیؑ سے اپنے سیاسی اور سماجی مستقبل کے بارے میں بات کرنے آئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں ملاقات کو اس لئے موزوں قرار دیا تھا کہ اس طرح کوئی ان کو آتے جاتے بھی نہ دیکھے گا اور تنہائی میں وہ اپنا مقصد ہر طرح پیش کر سکیں گے ممکن ہے ان کو یہ امید بھی رہی ہو کہ اندھیرے اور تنہائی میں شاید علیؑ غیر مطمئن حالات کی بنا پر اپنے بے لچک عادلانہ مزاج میں لچک پیدا کر سکیں۔ اسی لچک کے سہارے وہ اپنے ماضی کو مستقبل میں محفوظ کرنے کی امید رکھتے تھے اور اسی کوشش کے لئے آئے تھے۔ حسن اتفاق کہ مولا علیؑ اسی وقت

بیت المال کا حساب لکھ رہے تھے۔ جیسے ہی رجسٹر بند کیا۔ چراغ بھی بجھا دیا۔ دونوں نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا کہ ملاقات کا یہ کونسا نیا طریقہ ہے۔ مولیٰ نے جواب دیا کہ چراغ میں بیت المال کا تیل تھا۔ حساب بھی بیت المال کا تھا۔ جب کام ختم ہوا تو بیت المال کا تیل ناجائز کیونکر جل سکتا تھا۔ البتہ آپ کو روشنی درکار ہے تو میں گھر سے چراغ منگاتا ہوں اور امام حسن علیہ السلام آپ کے فرماتے ہی چراغ لے آئے۔ اس کے بعد دونوں نے عرض حال کے بجائے بغاوت کرنا طے کیا۔ اور مسلمانوں میں بصرہ کے میدان میں ان ہی کے باعث خوفناک جنگ ہوئی اور اگر فتح علیؑ کی نہ ہوتی تو مسلمانوں کے جان و مال کے نقصان میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ مگر فاتح مکہ رسولؐ کے جانشین نے فاتح فوج کو ہر طرح سے مالی اور جانی و جاہی نقصان پہنچانے سے روک دیا۔ اور حتمی فیصلہ سنا دیا کہ فتنہ و فساد روکنے کے لئے جنگ تھی نہ کہ دشمن کو نیست و نابود کرنے کے لئے اور نہ انتقامی کارروائی کرنے کے لئے تھی۔ فتنہ سرد ہو گیا۔ فساد بظاہر رک گیا لہذا فوجی اقدام یعنی جہاد کا محل نہیں رہا۔ شاید مکہ سے بصرہ زیادہ مشکل موقع تھا۔ مکہ میں خود رسول اکرمؐ کو اپنے دشمنوں کو معاف کرنا تھا اور بصرہ میں مجاہدین کو قابو میں رکھنا تھا۔

اس واقعہ سے واضح ہے کہ مولائے کائنات کا ماننے والا وہی ہو سکتا ہے جو ذرہ برابر بھی بے ایمانی نہ کرے اور سب سے بڑی بے ایمانی ہے خالق کی نافرمانی۔ اگر دنیا میں حکومت کی نافرمانی۔ والدین کی نافرمانی۔ محسن کی نافرمانی وغیرہ بڑی بے انصافیاں اور بے ایمانیاں ہیں تو خدا کی نافرمانی جو خدا بھی ہے۔ خالق بھی ہے۔ رب بھی ہے۔ حاکم بھی ہے۔ محسن بھی ہے سب سے بڑی نافرمانی ہو گی اور سب سے بڑی بے انصافی اور سب سے

بے ایمانی ہو گی ۔ اسی لئے اس نے قرآن مجید میں بار بار کہا گیا ہے کہ ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے مگر شرک ناقابل معافی ہے اور احکام خدا کی خلاف ورزی انسان کو پوشیدہ شرک تک پہنچا دیتی ہے ۔ خصوصاً مسلسل نافرمانی اور بڑی سے بڑی نافرمانی پر بھی نہ شرمندہ ہونا نہ افسوس کرنا ۔ اسی لئے معصومؑ نے اعلان کیا کہ ہماری شفاعت اس کو نہیں مل سکتی جو نماز کو ہلکا سمجھے اور یہ بھی وضاحت کی کہ مسلسل ترک نماز اس کو سبک ہی سمجھتا ہے ۔ ایسے لوگ اگر اپنی عاقبت بچانا چاہتے ہیں تو سوائے توبہ کے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور توبہ کا مطلب ہے کئے پر خوفزدہ ہونا ۔ معافی کے لئے بیتاب ہونا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ ہونے اور معافی حاصل کرنے کے لئے مسلسل خدا کو زبان و عمل سے آئندہ گناہ نہ کرنے کی یقین دہانی کرانا ہے ۔ کیونکہ مجرم کو معافی کی التجا کا حق ہے ۔ معاف کرنا مالک کا حق ہے لہذا اس کو اپنے عمل سے راضی کرنا ہو گا تا کہ وہ معاف کر دے ۔

مگر آج کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی ہے اور پرورش پائی ہے جہاں سماجی خوف تھا ۔ حکومتی خوف تھا ۔ مالی خوف تھا مگر نہ الٰہی خوف تھا ۔ نہ ہم نے یہ جانا تھا کہ حضرات معصومین علیہم السلام کس قدر خدا کی نافرمانی پر غضبناک ہوتے ہیں ۔ جب ان کی ناراضگی کا علم نہ تھا تو خوف معصومین علیہم السلام بھی نہ تھا ۔ لیکن آج ہر طرف تحریر و تقریر کے ذریعہ سونے والوں کو بیدار کیا جا رہا ہے ۔ اسلامی انقلاب پابندی دین کی دعوت دے رہا ہے ۔ وقت ظہور روز بروز قریب ہو کر امام عج کے سامنے حاضر ہونے کی تیاری کی طرف متوجہ کر رہا ہے ۔ گھروں میں توضیح المسائل پڑھی جا رہی ہے ۔ لڑکیاں اور عورتیں بھی دینی واقفیت کی طرف متوجہ

ہو رہی ہیں۔ جوان اور نوجوان غیر مذہبی بلکہ مذہب دشمن سماج کے خلاف بغاوت پر تیار ہو رہے ہیں۔ یہ سب کرشمہ سازی ہے پس پردہ غیبت سے آنے والی اس آواز کا جو دوستوں کے دلوں کو سنائی دے رہی ہے کہ اگر تم ہمارے ظہور کے لئے تیار ہو جاؤ تو ہم ظہور کے لئے تیار ہو کر مالک کی بارگاہ میں ظہور کی درخواست کریں۔ ایسے میں لازم ہے۔ ضروری ہے۔ واجب ہے کہ دینی تعلیم۔ دینی تبلیغ۔ دینی لٹریچر۔ دینی ماحول پیدا کرنے میں ہم سب مل کر انتھک کوشش کریں ورنہ جہاں ایرانی مسلمان اس وقت اپنے امام کی خدمت میں سرخرو ہو کر حاضر ہو رہے ہیں ہم ہندوستانی مسلمانوں کو قبر میں امامؑ کا سامنا کرنے اور نظر اٹھانے کی ہمت نہ ہوگی۔ ابھی مستقبل کی تعمیر ہمارے ہاتھ میں ہے۔ کائنات کا مستقبل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہدایت کا مستقبل امام زمانہ عج کے ہاتھ ہیں۔ ہماری دنیاوی زندگی کا مستقبل بھی خدا کے ہاتھ میں ہے کیونکہ ہم صرف تدبیر کر سکتے ہیں لیکن تدبیر کا کارگر ہونا ضروری نہیں ہے۔ سعی ہماری ہوتی ہے۔ تکمیل خدا کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن ہماری دینی زندگی کا مستقبل سو فیصدی ہمارے ہاتھ میں ہے ہم اسے بگاڑ کر دوزخ میں اور بنا کر جنت میں جا سکتے ہیں عقل خدا نے دی۔ ہدایت انبیا اور ائمہ علیہم السلام نے کی۔ اب ہدایت قبول کرنا اس کے مطابق عمل کرنا۔ دین کو جاننا۔ معرفت میں اضافہ کرنا۔ اعلم فقیہ سے واجبات معلوم کر کے ایک ایک واجب کو ادا کرنا اور محرمات کو معلوم کر کے ایک ایک گناہ سے اپنے کو بچانا صرف ہمارے ہاتھ میں ہے۔

بیشک کوشش کے باوجود لغزش ہو جائے گی۔ جس کے لئے توبہ کا دروازہ موت کے دروازہ کے کھلنے تک کھلا رہتا ہے۔ توبہ ایسی قسمت ساز

اور مستقبل ساز ہے کہ حُر کو حبیبؒ کا درجہ دلا دیتی ہے۔ مگر توبہ یعنی کیے پر شرمندگی، معافی کی طلب اور نہ معاف ہونے کی گھبراہٹ کی بنا پر گڑگڑانا اور آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم محکم توبہ ہے۔ توبہ اور گناہ توبہ کا مذاق ہے اور خدا کی توہین کرنا ہے۔ ہماری کوشش کے بعد ہماری ہمت افزائی کے اسباب خدا و رسولؐ و امام کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں۔

قومی انداز فکر میں اصلاح و توسیع کی ضرورت ہے

تنظیم المکاتب ایک دینی تعلیمی تحریک ہے اور ۔ دینی تعلیمی تحریک اسلامی انقلاب کا ایک جز ہے ۔ اسلامی انقلاب کا مطلب ہر مسلمان کا واقف دین ہونا اور پابند دین ہونا ہے ۔ پابندی دین کا مطلب جزوی پابندی نہیں ہے ۔ بلکہ ایسی ہمہ گیر پابندی ہے جو زندگی کو ہر وقت حدود دین میں رکھے ۔ تعلیم ۔ ملازمت ۔ کاروبار ۔ صنعت ۔ زراعت ۔ شادی ۔ غمی ۔ تعمیرات ۔ تقریبات غرضکہ ہر شعبہ زندگی ۔ ہر مرحلہ زندگی ۔ ہر لمحہ زندگی دین کے مطابق بسر ہو ۔ اگر حکومت اور ماحول اسلامی ہو تو بھی زندگی اپنی تمام وسعتوں سمیت مذہب کی حد میں رہے اور اگر حکومت اور ماحول غیر اسلامی ہو تو بھی زندگی اپنی تمام پابندیوں اور زحمتوں سمیت ان حدود میں رہے جو اسلام نے اس حالت و ماحول کے لئے فرد و جماعت کے لئے معین کئے ہوں ۔

قصہ مختصر یہ کہ ہمارے تمام اعمال اور افکار پابند حدود اسلام ہوں ۔ بلکہ اعمال تو پابند افکار ہوتے ہیں لہٰذا ہمارے افکار کا اسلامی ہونا ضروری اور لازم ہے ۔ افکار کی تعمیر میں تعلیم کو بھی دخل ہوتا ہے ۔ ماحول بھی ان پر اثرانداز ہوتا ہے ۔ تمنائیں اور آرزوئیں بھی اس کے رخ کو تبدیل کرتی رہتی ہیں ۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہماری تعلیم ایسی ہو جو اسلامی ذہن پیدا

کرے۔ ہمارا ماحول ایسا ہو جو ہماری فکر کو اسلامی رکھے۔ ہماری آرزوئیں تمنّائیں۔ خواہشیں اسلامی ہوں تاکہ اسلامی فکر کا رخ تبدیل نہ ہو سکے۔ یہ ایک بڑا کام ہے اور مشکل کام ہے۔ اور بہت نازک کام ہے۔ اس کام کے لئے محنت۔ لگن۔ عقل و علم۔ ذہانت و فراست۔ تجربہ و تجزیہ احساسات کی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تنظیم المکاتب کے خدمت گذار۔ مکاتب کے ذریعہ تحریر کے ذریعہ تقریر کے ذریعہ اجتماعات کے ذریعہ۔ نجی نشستوں کے ذریعہ اپنی بساط بھر اسلامی انقلاب اور دینی تعلیمی تحریک کے لئے کوشاں ہیں اور خداوند عالم کامیابی بھی دے رہا ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہماری دعا ہے کہ ہمارے توفیقات میں برابر اضافہ فرماتا رہے اور ہم کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے۔

علماء کرام سے بھی گذارش ہے کہ ہماری رہبری فرماتے رہیں۔ ہماری غلطیوں پر متنبہ فرماتے رہیں تاکہ ہم اپنے اقدامات کی اصلاح کرتے رہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی گذارش ہے کہ قوم کو دین سے باخبر کرنے اور پابند دین بنانے کی ذمہ داری سب پر عائد ہوتی ہے لہذا تمام علماء، وذاکرین و ائمہ جماعت اور سربراہان دینی تعلیم کا فریضہ ہے کہ اپنے اپنے حالات کے مطابق اسلامی انقلاب و دینی تعلیمی تحریک کو فروغ دینے میں حصہ لیں۔ ورنہ کل ہم کو آپ کو خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ دینی پابندی کی کمی کا سب سے بڑا سبب۔ قوم کا غیر اسلامی انداز فکر ہے۔ ہم سب کو مل کر قوم کے انداز فکر کو اسلامی بنانے کی کوشش کرنا چاہئے موجودہ انداز فکر میں اصلاح کی بھی ضرورت ہے اور توسیع کی بھی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر جزوی پابندی دین کافی ہے! یہ وہ تصور ہے جو آج قوم کے ۸۰..۹۰ فیصدی افراد کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کے

خیال میں صرف عقائد کا درست ہونا کافی ہے۔ کچھ لوگ صرف محرم۔ رمضان عید۔ بقرعید میں دینی امور کی انجام دہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ کچھ کے خیال میں دین کی راہ میں مال کا صرف کر دینا کافی ہے کچھ کا خیال ہے کہ جتنا ہو سکے جیسے ہو سکے اتنی دینی پابندی کرو باقی خدا بخشنے والا ہے۔ مولیٰ بخشوانے والے ہیں۔

کچھ کہتے ہیں ہم تو جاہل اور گنہگار رہیں جو بھی ہم سے ہو جائے گا خدا قبول کرے گا۔ اس کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کو اس کی رحمت کی ضرورت ہے۔ اور اس کی رحمت تو بہر حال ہمارے گناہوں سے زیادہ ہے۔ کچھ فرماتے ہیں اگر ہم سب متقی اور پرہیزگار ہو جائیں گے تو پھر خدا کس کو بخشے گا۔ اسی طرح کے بہت سے غلط خیالات ہیں جن کا محور یہی ہے کہ جزوی پابندی دین کافی ہے۔ بعض عوام پسند حضرات ایسے غلط خیالات کی حمایت بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ حمایت زیر منبر بھی ہوتی ہے اور بالائے منبر بھی ہوتی ہے۔

پابندی دین سے جان چرانے والے افراد کے لئے یہ حمایت نہایت خوش گوار ہوتی ہے۔ لیکن یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں کی راحت۔ تن آسانی۔ شہرت۔ مقبولیت سب فانی ہے۔ صرف عمل باقی رہنے والا ہے۔ اس کے اثرات برقرار رہنے والے ہیں۔ جزوی پابندی دین کے کافی ہونے کے لئے نہ کوئی آیت موجود ہے نہ کوئی حدیث پائی جاتی ہے نہ کسی عالم دین نے کبھی ایسا کوئی فتویٰ دیا ہے رہے عوامی دلائل ان کی کوئی قیمت فقہ اور شریعت میں نہیں ہے۔ عوام تو خواب کو بھی دلیل بنا لیتے ہیں بلکہ اپنے تصورات کو دلیل بنا لیتے ہیں۔ اگر عوام کے خیالات کافی ہوتے تو دین کو بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ عوام کو

دین طے کرنے کا اختیار دے دیا جاتا۔ شریعت اور فقہ کو معطل کر کے عوامی دلائل کی بنیاد پر کچھ طے کر لینا خدا و رسولؐ و ائمہ معصومین علیہم السلام کو ناراض و غضبناک کرنا ہے۔ ائمہ علیہم السلام نے ہم کو فقہا کے حوالے کیا ہے نہ کہ فقہا کو عوام کے حوالے کیا۔ لہٰذا انداز فکر کی اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

اسلام میں کوئی چیز اکیلی کافی نہیں قرار دی گئی ہے۔ صرف اقرار توحید کافی نہیں ہے نہ صرف اقرار نبوت یا امامت یا قیامت کافی نہیں ہے بلکہ سب کا اقرار ضروری ہے اور صرف اصول دین کا اقرار کافی نہیں ہے بلکہ فروع دین پر عمل بھی ضروری ہے۔ اصلاح فکر کے ساتھ توسیع فکر بھی ضروری اور مفید ہے۔ مثلاً مولائے کائنات امیر المومنین علیہم السلام نے فرمایا تھا کہ مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔ پوچھ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں اور تم پوچھنے سے محروم رہ جاؤ (سلونی قبل ان تفقدونی) ہم نے اس فقرہ پر ہمیشہ اس رخ سے سوچا کہ یہ فقرہ مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے غیر محدود علم کا مظہر ہے آپ کے علاوہ کسی کے یا تو ایسے دعوی کی ہمت نہیں کی یا اگر کسی نے ہمت کی تو وہ اسی وقت رسوا ہوا۔ مثلاً ایک دعوی کرنے والے سے پوچھا گیا کہ جناب آدمؑ کے حج کے موقع پر آپ کے سر کے بال کس نے مونڈے تھے۔ دوسرے دعوی کرنے والے سے سوال ہوا کہ جناب سلیمانؑ سے جس چیونٹی نے گفتگو کی تھی وہ نر تھی یا مادہ اور دونوں دعویدار رسوا اور ذلیل ہوئے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے اس دعوی کا مذاق اڑانے کے لئے ایک شخص نے کہا کہ بتائیے میرے سر میں بال کتنے ہیں آپ نے فرمایا میں بالوں کی تعداد تو بتا دوں گا مگر اس کی تصدیق کیسے ہوگی۔ البتہ میں بتاتا ہوں کہ تیرا ایک فرزند پیدا ہوگا جو میرے فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے

کربلا میں جنگ کرے گا۔

غرضکہ سارے تذکرہ صرف اسی خیال کے گرد جمع رہے کہ آپ کا علم غیر معمولی اور غیر محدود ہے کوئی شخص آپ کا مثل درکنار اس صفت کے کسی حقیر حصہ کا بھی مالک نہیں ہے۔ لیکن اس فقرہ میں ایک عظیم درد پوشیدہ ہے جس کی طرف ہم متوجہ نہ ہو سکے۔ وہ درد یہ ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ امت آپ سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے تاکہ اسے میرے بعد علمی محرومی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مولی علیؑ کس قدر بے چین ہیں کس قدر بیتاب ہیں کہ امت دین سے جاہل نہ رہ جائے ہم اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ ضرورت ہے کہ ہم بھی اپنے انداز فکر میں بھی توسیع کریں تاکہ ایسے مطالب بھی ہمارے ذہن میں آسکیں۔

غرضکہ قومی انداز فکر کی اصلاح و توسیع کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی طرف متوجہ ہونا سب کا فریضہ ہے۔ ہر کوتاہی کرنے والے کو کل عتاب بلکہ عذاب کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ توسیع فکر کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ہم ابھی تک صرف محبت اہلبیتؑ علیہم السلام کی طرف متوجہ رہے ہیں کیونکہ آپ حضرات کے دشمنوں نے شدید دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ محبتت نا مکمل ہے جب تک محبت خدا و محبت رسولؐ کی طرف بھی ہم بھرپور متوجہ نہ ہو جائیں۔

اسی طرح ہم غم حسینؑ کی طرف پورے طور پر متوجہ ہیں لیکن خود امام حسین علیہ السلام کو کون سا غم تھا جس نے کربلا کے عظیم و شدید مصائب برداشت کرنے کے لئے آپ کو آمادہ کیا تھا۔ ہم اس غم کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ حسینؑ کو صرف اور صرف یہ غم تھا کہ کوئی انسان۔ کوئی

مسلمان کوئی مومن ۔ کوئی حسینی دوزخ میں نہ جانے پائے اگر ہم حسینؑ کے غم کو آج اپنا غم بنا لیں اور قوم کے انداز فکر کی اصلاح و توسیع کی مہم میں لگ جائیں تو اُمام کا غم آج کم ہو جائے گا اور ان کے غلاموں کا غم کل بروز قیامت مٹ جائے گا ۔

توہم پرستی کے خلاف جہاد کیجئے

یقین ۔ گمان ۔ شک ۔ وہم چار چیزیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ کسی چیز یا کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کے دونوں امکان ہوتے ہیں ۔ اگر ہونے کا سو فیصدی علم حاصل ہوئے تو اس علم کا نام یقین ہے ۔ اگر ہونے کا سو فیصدی علم نہ ہو مگر ۵۱ فیصدی یا اس سے زیادہ ہونے کا خیال ہو تو اس خیال کا نام گمان ہے ۔ جس کی حد ۵۱ فیصدی سے ۹۹ فیصدی تک ہو گی ۔ گمان کے مقابل کا نام وہم ہے جس کی حد ایک فیصدی سے ۴۹ فیصدی تک ہو گی ۔ البتہ اگر ہونے نہ ہونے کا علم برابر برابر ہو تو اس صورتحال کا نام شک ہے ۔

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہم کمزور خیال کا نام ہے جو قابل اعتماد نہیں ہوتا ۔ لیکن اللہ نے انسان کو جہاں بہت سی قوتیں دی ہیں ان میں سے ایک قوت واہمہ بھی ہے ۔ جس کا کام وہم پیدا کرنا ہے ۔ ناسمجھی ہو گی اگر ہم یہ خیال کریں کہ جب وہم ناقابل اعتماد چیز کا نام ہے تو خدا نے وہم پیدا کرنے والی قوت پیدا ہی کیوں کی ۔ نہیں خدا نے ہر چیز کو ایک مفید مقصد کے لئے پیدا کیا ہے ۔ مگر اس کا غلط استعمال مضر ہو جاتا ہے ۔ اس مضرت اور غلط استعمال کا ذمہ دار بندہ ہے نہ کہ خدا ۔ حافظہ بڑی ضروری اور اچھی چیز ہے لیکن خدا نے حافظہ اور یادداشت کے مقابلہ میں نسیان اور بھولنے کی صلاحیت بھی انسان میں پیدا کی ہے اگر انسان میں بھولنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو صاحبان

غم اپنے غم کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتے ۔ لیکن فرائض کا بھول جانا ۔ امانتوں کا بھول جانا وغیرہ بھولنے کا غلط استعمال ہے ۔ جاگنا زندگی ہے لیکن اللہ نے نیند بھی پیدا کی ہے اگر نیند نہ ہو تو آدمی تھک کر ہلاک ہو جائے ۔ نیند ضروری راحت اور ریلیف کے لئے ہے ۔ البتہ زیادہ سونا جسم اور تمام کاموں کے لئے مضر ہو جائے گا جو نیند کا غلط استعمال ہے ۔ اسی طرح اللہ نے قوت واہمہ اس لئے پیدا کی ہے کہ انسان انجانے خطروں کی طرف متوجہ ہو جائے ۔ رسی کے سانپ ہونے کا وہم جہاں ۹۹ فیصدی مہمل ہوتا ہے وہاں ایک فیصدی اس موذی سے بچنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے ۔ اسی طرح کے بہت سے وہم انسان کو بہت سی باتوں کے جانچنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں ۔ جن کی طرف متوجہ نہ ہونا کبھی کبھی ہلاکت وتباہی اور دشمن کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتا ہے ۔ غرضکہ وہم کبھی کبھی انجانے خطرات سے بچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے ۔ اسی مفید مقصد کے لئے خداوند عالم نے قوت واہمہ پیدا کی ہے ۔ لیکن جس طرح انسانوں نے ہر مفید مقصد کے لئے پیدا ہونے والی چیز کا غلط استعمال کر کے مضر اور نقصان رساں چیزوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں اسی طرح قوت واہمہ کا بھی غلط استعمال ہوا ہے ۔ اور انسان نے بے شمار وہمی چیزیں مذہب میں، سماج میں ۔ رواج میں ۔ تہذیب میں شامل کر دی ہیں ۔ اور ان کو حقائق اور سچائیوں سے بھی بڑا رتبہ دیدیا ہے ۔ اسی انسانی غلطی کا نام توہم پرستی ہے ۔ توہم پرستی کل بھی تھی آج بھی ہے ۔ بت پرستی صرف توہم پرستی کا نتیجہ ہے ۔ توہم پرستی کا ایک سرا اگر بت پرستی سے تو دوسرا کنارہ ٹونے اور ٹٹکے ہیں ۔ اسلام توہم پرستی کا سخت اور شدید مخالف ہے ۔ اس نے بت پرستی کے ڈھول کا خول واضح کرتے ہوئے کہا ہے ۔ کہ بتوں کے قبضہ میں نہ کوئی نفع ہے نہ کوئی

نقصان یہ مکھی کو نہیں ہنکا سکتے تو کیا کر سکتے ہیں۔ مگر ماننے والوں کے خیال میں سارا نفع اور نقصان ان کے راضی رہنے اور ناخوش ہونے میں ہے۔ اور انھوں نے راضی رکھنے کی باتیں بھی خود ہی طے کر لی ہیں اس لئے کہ بت تو بت ہے وہ تو کچھ کہنے سے رہا۔ اس طرح خدا قبضہ میں رہتا ہے نہ کہ بندہ۔

اسلام نے توہم پرستی کے مقابلہ میں خدا پرستی کی تعلیم دی ہے کہ خدا ہی ہر نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ اس کی ہر ہدایت پُر مصلحت و پُر حکمت ہوتی ہے اگرچہ ہم اس کے کاموں اور حکموں کی بہت بڑی تعداد کی حکمت اور مصلحت سمجھنے سے اس لئے قاصر ہیں کہ ہمارے علم و عقل کو کوئی نسبت خدا کے علم سے نہیں ہے۔ نہ قطرے میں سمندر سما سکتا ہے نہ اس کی حکمت و مصلحت کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ جن کو اپنی کم مائگی اور اللہ کے کمال کا احساس رہتا ہے وہ اپنے علم و عقل کو احکام خداوندی پر نچھاور کرنے ہی کو عقلمندی سمجھتے ہیں اور جو لوگ خود آگہی اور خدا آگہی دونوں سے کورے ہوتے ہیں ان کی جہالت ہر حکم خداوندی میں الجھاؤ پیدا کرتی رہتی ہے اور وہ اسی الجھاؤ کو اپنی علمی قابلیت اور عقلی صلاحیت سمجھتے رہتے ہیں۔

غرضکہ قدیم۔ قادر۔ عالم۔ حکیم۔ عادل خدا نے ہم کو اپنے فرمان یعنی قرآن مجید کے ذریعہ اور اپنے عہدہ داران نبیؑ و امامؑ کے ذریعہ یہ بات ہم پر واضح کر دی ہے کہ نفع نقصان صرف خدا کے قبضہ میں ہے۔ اور نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ایک ایمان۔ دوسرے اعمال صالح تیسرے نبیؑ و امامؑ کا وسیلہ چاہنا۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کم ہوگی تو ہم نہ نفع حاصل کر سکیں گے اور نہ نقصان سے بچ سکیں گے۔ یہ بات بار بار سمجھ لینا چاہئے کہ نفع و نقصان صرف خدا کے قبضہ میں ہے۔ جو صرف نبیؑ و امامؑ کے وسیلہ

سے حاصل ہوگا اور حاصل کرنے کے لئے ایمان اور نیک اعمال ضروری ہیں ۔ نیک اعمال صرف وہی ہیں جن کا حکم خدا ۔ نبیؐ ۔ امامؑ نے دیا ہے ۔ اس کے علاوہ جتنی ہماری ایجادیں ہیں وہ سب ہمارے توہمات ہیں جن کی کوئی جگہ نہ مذہب میں ہے نہ ان کا کوئی فائدہ ہے ۔ البتہ ہماری ایجادیں دنیا و آخرت دونوں جگہ ہم کو نقصان پہنچانے والی ہیں ۔ ہم میں سے بہت سے لوگ وہ ہیں جو زندہ یا مردہ پیر یا فقیر کو نفع نقصان کا مالک سمجھتے ہیں ۔ ہم میں بعض وہ کمزور ذہن رکھنے والے بھی ہیں جو ایک نہیں بارہ بلکہ چودہ مشکل کشا رکھنے کے باوجود عاملوں اور رمالوں کے پاس حل مشکلات کے لئے جاتے ہیں حد ہوگئی کہ خدا ۔ نبیؐ ۔ امامؑ کے ماننے والے منکرین خدا و نبیؐ و امامؑ کے پاس گنڈے ۔ نقش ۔ لوبان ۔ راکھ ۔ پانی اور نہ معلوم کیا خاک بلا لینے پہنچ جاتے ہیں ۔ کتنے ہیں جو کسی جگہ کو کسی درخت کو یا کسی دوسری چیز کو متبرک سمجھ بیٹھے ہیں ۔

ہماری توہم پرستی کی اسی کمزوری کو بھانپ کر بہت سے ملا ۔ مولوی مجاور طرح طرح سے لوٹتے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ عوام بالکل دین سے جاہل رہیں ۔ جس حال میں ہیں بس اسی حال میں رکھے جائیں ورنہ وہ ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے ۔

اگر توہم پرستی صرف غیروں میں ہوتی تو ہم صبر کر لیتے لیکن جب توہم پرستی نت نئے طریقوں سے ہم میں داخل ہوگئی ہے اور اس کا مزید داخلہ جاری ہے تو ہم سب پر لازم ہے کہ توہم پرستی کے خلاف جہاد کریں اور جہاد صرف یہی ہے کہ عوام تک علم دین کو وسیع کیا جائے ۔ ان کو ایمان اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال کیا جائے ۔

جس کی سب سے پہلی منزل یہ ہے کہ گود سے مدرسہ تک اور مسجد سے منبر تک علم دین کی تعلیم اتنی عام کی جائے عوام سننے کے بعد مذہبی کتابیں خود بھی پڑھنے لگیں ۔ توہم پرستی کا سبب صرف جہالت ہے اور اس کا توڑ صرف تعلیم دین کی توسیع ہے ۔

استخارہ

ہمارے درمیان جو دینی بحثیں ہوا کرتی ہیں ان کا ایک نمایاں موضوع استخارہ بھی ہے ۔ مذہب کا مذاق اڑانے والے اکثر استخارہ کا بھی مذاق اڑاتے ہیں ۔ اور مذہب کی پابندی کرنے والوں میں بعض ہر قدم پر استخارہ دیکھتے ہیں کہ ہر کام سے پہلے استخارہ اور ہر استخارہ کے بعد استخارہ یہاں تک کہ یا کام ختم ہو جائے یا استخاروں کا اتنا انبار ہو جائے کہ فیصلہ استخارہ کے بوجھ تلے دب جائے ۔

بعض حضرات دین کے کسی حکم کی پابندی نہیں کرتے ۔ ہر حرام میں آزاد ہیں ۔ ہر واجب ترک کرنے میں جری ہیں انھوں نے دین میں صرف "استخارہ لے لیا ہے ۔ چنانچہ ضرور دکھائیں گے اور اس پر ضرور عمل کریں گے ۔

قوم میں استخارہ بعض امور میں ہر واجب سے زیادہ واجب ہے مثلاً شادی کے موقع پر ۔ جائداد کی خریداری کے موقع پر چنانچہ بعض حضرات صرف استخارہ پر فیصلہ کرتے ہیں ۔ مسئلہ کے پیش و پس پر نظر ہی نہیں کرتے ۔

بعض حضرات کے یہاں استخارہ دیکھنے والے حضرات معین ہیں ۔ ان کو اور ان کے خاندان کو کسی کا دیکھا ہوا استخارہ مطمئن نہیں کرتا ۔ جب تک ان کے 'جناب'، استخارہ نہ دیکھ دیں اور جناب کا جناب ہونا بس استخارہ دکھانے

سے ثابت ہوتا ہے ورنہ جناب سے کبھی کوئی دینی مسئلہ دریافت نہیں ہوتا شاید معتقدین کے خیال میں ان کے جناب سے اور خدا سے خصوصی رابطہ ہے۔

کچھ لوگ حسب مرضی استخارہ کے خواہشمند ہوتے ہیں لہذا مقید اور مطلق استخارے ہوتے ہیں اور جب تک استخارہ حسب مرضی نہ ہوجائے تب تک دیکھا جاتا رہتا ہے یہ استخارہ آیا نہیں ہے بلکہ لایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی رائے بدلنے کے بعد استخارہ کا رخ کیسے بدلا جائے اس کے لئے مشورے ہوتے ہیں اور ایسے مولوی صاحب کی تلاش ہوتی ہے جو استخارہ بدل سکیں۔ ایسے موقع پر تاریخ دار استخارہ ہوتے ہیں ہر نام میں عرفیت ولدیت وغیرہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

بعض حضرات استخارہ دکھلانا خلاف علم وعقل سمجھتے ہیں۔ ان کے فقرے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ہم نے تو آج تک استخارہ دکھایا ہی نہیں یعنی گویا وہ اس بری بات۔ کم عقلی اور بے علمی سے محفوظ رہے استخارہ ہی وہ کام ہے جسے اکثر مومنین خود نہیں کرتے بلکہ اسی موقع پر کسی مولوی کی تلاش ہوتی ہے اور اگر مولوی نہ ملے تو کسی نمازی اور متقی شخص کی عزت افزائی ہوتی ہے۔

شریعت کے لاکھوں واجبات پر عمل نہ کرنے والے خدا۔ رسولؐ۔ امامؑ اور عذاب دوزخ سے نہیں ڈرتے کیونکہ عذاب کا خطرہ آخرت میں ہوگا۔ اور آخرت پر یا یقین نہیں ہے یا فی الحال مصروف زندگی میں اس پر غور کرنے کی ضرورت وفرصت نہیں ہے۔ البتہ استخارہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ حضرات سخت پریشان اور متفکر نظر آتے ہیں کیونکہ خطرہ ہوتا ہے کہ

عمل نہ کرنے کی وجہ سے کوئی نقصان ہو جائے یا کوئی نفع چھوٹ جائے یا کوئی بلا نازل ہو جائے اور چونکہ ان تمام امور کا تعلق دنیا سے ہے لہذا اس خطرہ کی طرف فوراً ملتفت ہونا ضروری ہوتا ہے۔

کچھ لوگوں کے خیال میں استخارہ سے علم غیب حاصل ہو سکتا ہے لہذا وہ استخارہ دکھانے آتے ہیں مثلاً بھینس کھو گئی ہے کہاں ملے گی۔ لڑکا کھو گیا کہاں ملے گا۔ ایسے لوگ استخارہ کے بعد اگر نقصان ہو جائے تو دین پر نظر ثانی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

دینی ناواقفیت کی صدیہ ہے کہ حرام کام ہر حال میں حرام ہے۔ استخارہ کے بغیر بھی اور استخارہ کے بعد بھی حرام ہے بلکہ اس کے لئے استخارہ دیکھنا بھی حرام ہے مگر وہ امور حرام کے لئے استخارہ دکھاتے ہیں اور مولوی استخارہ دیکھنے میں تامل نہ کرے اس لئے محتاط راستہ اختیار کرتے ہیں کہ میری نیت پر استخارہ دیکھ دیں۔ اسی طرح بعض حضرات ترک واجب پر استخارہ دیکھتے ہیں مثلاً روزہ رکھیں یا نہ رکھیں حالانکہ استخارہ منع آنے پر بھی روزہ واجب ہے اور اگر کسی وجہ سے روزہ حرام ہے تو استخارہ کے بعد بھی حرام رہے گا۔ مثلاً مرض میں۔ سفر میں۔

بعض لوگ نیت کی اتنی تفصیل بتاتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو خطرہ ہے کہ کہیں معاذ اللہ خدا مسئلہ سمجھے بغیر رائے نہ دیدے۔

اب تک استخارہ کا سماجی تذکرہ تھا۔ آئیے اب ہم استخارہ کے عقلی۔ علمی۔ شرعی پہلو پر بھی غور کریں۔ استخارہ کے لفظی معنی ' بھلائی طلب کرنا ' اور اصطلاحی معنیٰ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لئے خدا کی رائے معلوم کرنا تاکہ خیر و برکت کی راہ معلوم ہو جائے۔ کوئی عقلی دلیل استخارہ کو مہمل ثابت نہیں کرتی۔ غلط مواقع پر یا غلط طور پر استخارہ دیکھنے والوں کی غلطی استخارہ کو

غلط کام ثابت نہیں کر سکتی ۔ جناب مریم کی پرورش کے سلسلہ میں قرعہ اندازی اور اس میں جناب ذکریاؑ جیسے نبی کی شرکت دلیل ہے کہ خدا کی رائے معلوم کرنا ایک شرعی کام ہے ۔

استخارہ کے موضوع پر بحمدہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے ۔ استخارہ کبھی غیبی خبر ثابت ہوتا ہے ۔ خود میری زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں مثلاً ایک بار مجھ کو پنجاب میل سے لدھیانہ جانا تھا مالیر کوٹلہ میں عشرہ چہلم کی مجلسیں پڑھنا تھیں ۔ میرا وطن بجنور چار باغ اسٹیشن لکھنؤ سے تقریباً ١١ کیلومیٹر پر ہے ۔ سخت لو میں چلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی استخارہ بار بار جانے کو واجب آ رہا تھا ۔ یہاں تک میں وطن سے اس وقت چلا جب پنجاب میل کے چھوٹنے کا وقت ہو چکا تھا اور یہ سمجھ کر چلا کہ گاڑی تو نہیں ملے گی مگر شاید کوئی اور کام ہے ۔ جس کی طرف استخارہ رہبری کر رہا ہے ۔ لیکن جب میں تقریباً ١½ بجے سفر کر کے اسٹیشن پہنچا تو پنجاب میل اتنا لیٹ تھا کہ ٹکٹ لے کر اسٹیشن پر مجھے انتظا کرنا پڑا ۔ یہ واقعہ استخارہ کی صحت ۔ قوت کے ساتھ ساتھ وجود خدا کو بھی پوری قوت سے ثابت کرتا ہے اور اس اصول کو بھی ثابت کرتا ہے کہ خداوند عالم جسے اپنے بھیجے ہوئے ہادیوں کو غیب کی اطلاعیں دے سکتا ہے ۔

ایک دوسرا واقعہ اس سے بھی عجیب ہے مجھے محمود آباد مجلس پڑھنے جانا تھا ۔ قیصر باغ لکھنؤ بس اسٹیشن پر وطن سے آ کر معلوم ہوا کہ بس بعد مغرب جائے گی لگ بھگ ٠١ بجے پہنچے گی ۔ سوچا جانا بیکار ہے مومنین منتشر ہو جائیں گے ۔ استخارہ دیکھا کہ اس بس سے محمود آباد جاؤں منع آیا ۔ وطن واپس جاؤں منع آیا ۔ لکھنؤ کی قیام گاہ پر چلا جاؤں منع آیا ۔ عالم حیرانی میں بیٹھا تھا کہ کیا کروں استخارہ نے ہر راہ بند کر دی ہے ۔ ذہن میں خیال آیا کہ ممکن ہے محمود آباد ہاؤس سے کوئی

کار محمود آباد جا رہی ہو جس سے جلد پہنچنا ممکن ہو جائے ۔ اس خیال سے محمود آباد ہاؤس آیا کوئی کار نہیں جا رہی تھی ۔ البتہ سیتا پور کے قاضی محمد طاہر صاحب مرحوم ایڈووکیٹ کئی دن سے میرے منتظر تھے ۔ دوسرے دن صبح ان کو واپس جانا تھا مجھے بھی ان کا انتظار تھا ۔ کام ضروری تھا ۔ بس اس طرح ان سے ملاقات ہو گئی ۔ کام مکمل ہو گیا ۔ اس کے بعد جس بس سے استخارہ منع آیا اس سے کچھ لوگ جا رہے تھے ۔ قاضی صاحب مرحوم نے اصرار کیا کہ میں بھی چلا جاؤں ۔ استخارہ دیکھا آ گیا ۔ محمود آباد پہنچا ۔ مومنین خلاف توقع منتظر موجود تھے ۔ میرے لئے یہ یہ واقعات نہیں حقائق ہیں البتہ پڑھنے والوں کے لئے روایت ہیں لیکن ہر واقعہ دوسرے کے لئے روایت بن ہی جاتا ہے ۔

میری زندگی میں ایسے بھی بہت سے استخارہ آئے ۔ جن پر عمل کرنے کے بعد متوقع نفع کے بجائے نقصان ہوا ۔ کبھی عرصہ کے بعد واضح ہوا کہ اس نقصان کے ذریعہ دوسرے بڑے نقصان سے بچے یا کسی دوسرے نفع تک پہنچے ۔ کبھی ایسا ہوا کہ کوئی نفع سامنے نہیں آیا مگر دل کو آج بھی اطمینان ہے کہ ثواب بہرحال ملا ۔ اور یہ بھی یقین ہے اس نقصان میں بھی ہمارا کوئی نفع ہی تھا ۔ جو ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کیونکہ کوئی شریف کسی کو غلط رائے نہیں دے سکتا تو خدا کیسے غلط رائے دے سکتا ہے ۔ البتہ ہمارا علم اس کے علم کو نہیں چھو سکتا ۔ لہٰذا ایمان نفع ۔ نقصان ہر حال میں برقرار ہے ۔

استخارہ دیکھنے کے مواقع پر یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کام چھوٹے سے چھوٹا ہو یا بڑے سے بڑا ہو اگر دو رائیں پیدا ہوتی ہیں تو استخارہ کا محل ہے ورنہ اگر ایک ہی رائے پیدا ہوتی ہے تو استخارہ کا محل ہی نہیں ہے مثلاً روزانہ حاضری دینے والے کو فیکٹری ۔ دفتر ۔ کالج جانے کے لئے استخارہ دیکھنے کا محل

اور موقع ہی نہیں ہے جب تک کوئی تذبذب پیدا کرنے والی وجہ نہ پیدا ہو جائے مثلاً اسٹرائک ہو گئی تو جانے نہ جانے دونوں میں خطرہ ہے لہٰذا استخارہ کا محل پیدا ہو جائے گا۔ ہم ایک آدمی کے منتظر ہیں۔ اس کو آنے میں دیر ہو گئی ہے۔ ہمیں بھی جانے کی جلدی ہے۔ اس کے آنے کے دو راستے ہیں اور ہم دونوں راستوں سے اپنی منزل پر جا سکتے ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کس راستے سے آئے گا لہٰذا اگر یہ بہت چھوٹا سا معاملہ ہے مگر استخارہ دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک بار استخارہ کے بعد دوسرا استخارہ اسی وقت دیکھا جا سکتا ہے جب صورت حال میں کوئی تبدیلی ہوتی ہو مثلاً میں نے اپنے محمود آباد جانے کے جس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اس میں چونکہ قاضی صاحب سے ملاقات ہو چکی تھی جو اگر پہلے استخارہ منع نہ آتا تو نہ ہوتی لہٰذا دوبارہ اس بس سے جانے کا استخارہ دیکھنے کا محل آ گیا تھا۔ جس پر عمل کیا اور مجلس و ملاقات دونوں کام ہو گئے۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی جو ہدایت استخارہ سے ملی وہ ہدایت وقت و حالات کے پیش نظر محدود وقت و حالات کے لئے ہوتی ہے ایسے سارے مواقع پر صورتِ حال کے بارے میں فیصلہ کرنا۔ ہماری عقل پر منحصر ہے۔ ہمارے فیصلہ کی غلطی سے استخارہ کے دامن پر دھبہ نہیں آ سکتا ہے۔ استخارہ کے مخالف اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ استخارہ میں ہاں یا نہیں میں سے کوئی ایک تو آئے گا ہی لہٰذا بیکار ہے استخارہ دیکھنا۔ لیکن بیماری جائے گی یا نہ جائے گی لہٰذا بیکار ہے علاج کرنا۔ یا فیل ہوں گے یا پاس لہٰذا بیکار ہے پڑھنا۔ یا نوکری ملے گی یا نہ ملے گی لہٰذا بیکار ہے کوشش۔ پانی برسے گا یا نہیں برسے گا لہٰذا کھیتی کے لئے فکر مند ہونے کی

ضرورت نہیں ہے۔ ان میں سے کسی بات پر ہم میں سے کوئی نہیں راضی تو ہم استخارہ نہ دیکھنے پر کیوں راضی ہو جائیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ استخارہ سے قوت عمل کمزور ہو جاتی ہے۔ قوت فیصلہ شل ہو جاتی ہے مگر یہ بے محل بے ضرورت استخارہ دیکھنے والوں کی غلطی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ استخارہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ جب قوت فیصلہ کمزور ہو قوت عمل مضمحل ہو۔ ذہن تذبذب کا شکار ہو تو استخارہ اس کی دستگیری کرتا ہے۔ تذبذب اضمحلال کو دور کرتا ہے اور قوت عمل کو قوی کرتا ہے۔ زیادہ دوا کا استعمال یا غلط دوا کا استعمال دوا کے دوا ہونے پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔

تسبیح اور ذات الرقاع کے استخارہ میں خدا کی خالص رائے معلوم ہوتی ہے لیکن قرآن مجید کے استخارہ میں استخارہ دیکھنے والا اپنی رائے کے مطابق بتاتا ہے کہ خدا کی کیا رائے ہے استخارہ سجادیہ کی سندی حیثیت سے قطع نظر وہاں بھی حاصل ہونے والی رائے کو خدا کی خالص رائے نہیں کہا جا سکتا درحقیقت یہ تفاؤل ہے۔ تفاؤل کا عادی ہونا مضر ہے مفید نہیں ہے۔ ذیل میں تسبیح استخارے کی ترکیب لکھی جاتی ہے تاکہ ہر شخص خود استخارہ دیکھ سکے۔ صاحب معاملہ جس توجہ سے خدا سے رائے طلب کرے گا اس توجہ کی دوسرے استخارہ دیکھنے والے سے امید نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اگر ذہن غیر معمولی طور پر پریشان ہو تو دوسرے سے استخارہ دکھانا زیادہ بہتر ہوگا۔

اگر کام کرنے کا استخارہ آجائے تو اس کو بہتر کہتے ہیں۔ اگر دوبارہ اس کام کے نہ کرنے کے لئے بھی استخارہ دیکھا جائے اور نہ کرنے کو منع آئے تو اس استخارہ کو واجب کہتے ہیں یعنی خدا کی رائے ہے کہ یہ کام ضرور کرو مگر واجب استخارہ پر عمل شرعاً واجب نہیں ہے کہ عمل نہ کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ بلکہ عمل نہ

کرنے والا اس فائدہ سے محروم رہے گا استخارہ جس کی طرف رہبری کر رہا ہے۔ اگر کام نہ کرنے کے لئے بھی استخارہ آجائے تو اس کو مساوی کہتے ہیں یعنی کرنا نہ کرنا دونوں مناسب ہیں اگرچہ اس موقع پر اس کام کو نہ کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

تسبیح کا استخارہ دو طرح دیکھا جاتا ہے (۱) کام کی نیت کر کے ۳ بار صلوات پڑھے اور تسبیح کے کسی دانے کو پکڑ لے۔ اس کے بعد ۲-۲ کر کے گنتا جائے آخر میں اگر ایک دانہ بچے تو ہاں سمجھے اور اگر دو دانے بچیں یعنی کچھ نہ بچے تو نہیں سمجھے۔ (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ۳ بار صلوات پڑھ کر ۳ بار اَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ بِرَحْمَتِهٖ خِيَرَةً فِيْ عَافِيَةٍ پڑھے پھر تین بار صلوات پڑھ کر تسبیح کے دانوں کو مندرجہ بالا طریقے سے گنے اور فیصلہ کرے۔

بہترین استخارہ ذات الرقاع کا ہے۔ جس کی ترکیب کتابوں میں دیکھی جائے۔

عورت اور ملازمت

سماج رواجوں کے مجموعہ کا نام ہے ۔ چونکہ ہر طبقہ میں الگ الگ رواج ہوتے ہیں لہذا الگ الگ سماج بھی ہوتے ہیں ۔ رواج بدلے جائیں تو سماج بدل جاتے ہیں ۔ لیکن عام آدمی رواج کی قیادت میں گرتے پڑتے لشتم پشتم چلتے رہتے ہیں ۔ دکھ اٹھاتے ہیں اور اس دکھ کو لازمی سمجھتے ہیں لہذا رواج کے خلاف نہ بولتے ہیں نہ سوچتے ہیں بلکہ رواج کی مخالفت کو خدا کی مخالفت سے بھی بڑا گناہ قرار دے کر اپنے کو رواج کا پابند رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی رواج کی جکڑ بند میں رکھنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ جو رواج بھی پایا جاتا ہے اسے سب سے پہلے صرف کسی ایک آدمی نے شروع کیا تھا ۔ جس کو بعد میں لوگ رفتہ رفتہ اپنانے لگے پھر آہستہ آہستہ اس کی سماج پر گرفت مضبوط ہو گئی لہذا کسی رواج کی مخالفت بھی ابتدا میں کوئی ایک ہی آدمی کرے گا جو بتدریج بڑھتی جائے گی اور آخر الامر ایک نیا رواج پرانے رواج کی جگہ لے لے گا البتہ رواج کو بدلنا عام آدمیوں کا کام نہیں ۔ عام آدمی تو رواج کے پیچھے چلنا جانتے ہیں ۔ رواج بدلنا علما کا کام ہے دانشوروں کا کام ہے صاحبان زبان و قلم کا کام ہے ۔ صحافی اور شاعر کا کام ہے ۔ مصنف اور مقرر کا کام ہے جب تک یہ لوگ کسی رواج کا جائزہ نہیں لیتے ۔ اس کے

نفع نقصان کو محسوس نہیں کرتے ۔ اس کے خلاف زبان و قلم کو حرکت میں نہیں لاتے اس وقت تک کوئی رواج نہ بدلا ہے نہ بدلے گا ۔

آج کل لڑکیوں اور عورتوں کی ملازمت کا رواج عام ہوتا جارہا ہے ملازمت کرنے والیوں کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً جب تک شادی نہیں ہوتی لاؤ اس وقت تک ملازمت ہی کرلیں ۔ چونکہ شادی نہیں ہوئی ہے لہذا ملازمت کرلی ہے ۔ ملازمت کرنے کے بعد شادی آسان ہوجائے گی لہذا ملازمت کرلی ہے اتنے دن پڑھا ہے اس کا مصرف یہی ہے کہ ملازمت کرلی جائے ۔ میاں بیوی دونوں کمائیں گے تو گھر بھر جائے گا لہذا ملازمت کے پل میں دونوں جتے ہوئے ہیں ۔ سسرال اور میکہ دونوں خوش حال اور رکھ تپی ہیں لیکن اونچی سوسائٹی میں عزت حاصل کرنے کے لئے ملازمت کرنا ضروری ہے ۔

باپ ۔ شوہر وغیرہ کا انتقال ہوگیا ہے ۔ گھر میں کوئی کمانے والا مرد موجود نہیں ہے لہذا بیوہ یا لڑکیاں ملازمت کر رہی ہیں ۔ گھر کا خرچ پورا نہیں ہوتا ۔ باپ کثیر العیال ہے ۔ لڑکے نہیں ہیں یا چھوٹے ہیں لڑکیاں بڑی ہیں لہذا انھوں نے باپ کا بوجھ بٹانے کے لئے ملازمت کرلی ہے ۔

غرضکہ ملازمت کرنے والی عورتوں اور لڑکیوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کچھ وہ ہیں جو بے ضرورت ملازمت کر رہی ہیں کچھ کو مالی حالات نے ملازمت پر مجبور کیا ہے ۔ ملازمت کی وجہ کچھ بھی ہو پہلے اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ عورتوں کی ملازمت میں نفع نقصان کا توازن کیا ہے ۔ اور اس توازن کی بنا پر ملازمت اختیار کرنے کے

قابل چیز ہے یا اس سے کنارہ کشی لازم ہے اس مرحلہ سے گذرنے کے بعد یہ بھی سوچنا ہوگا کہ جن غریب اور مجبور گھروں کے لئے ملازمت سہارا ان کے لئے ملازمت کا کوئی بدل ممکن ہے یا نہیں ۔

ہم پہلے ملازمت کے نفع نقصان کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مردوں کی ملازمت میں بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تو عورتوں کی ملازمت میں کیا فائدہ نظر آئے گا البتہ نقصان ہی نقصان نظر آتا ہے ۔ آج کل کے جنس زدہ ماحول میں عورت گھر سے باہر اپنے کو غیر محفوظ پاتی ہے ۔ ملازمت کے لئے گھر سے باہر نکلنا ہوگا ۔ عدم تحفظ کا احساس ملازمت کیا زندگی کے سکون کو چھین لیتا ہے اور قلب و دماغ کو مستقل مبتلائے کرب رکھتا ہے ۔

ملازمت کرنے والی عورتوں کے آنے جانے کے راستے اور اوقات معین ہوتے ہیں لہٰذا جنسی درندوں کے لئے ان کو ستانا آسان ہوجاتا ہے سڑکوں پر بسوں میں ریلوں میں جو کچھ ہوتے دیکھا ہے اور جو کچھ کہتے ہوئے سنا ہے اس سے سب کو اندازہ ہے کہ کس قدر بے حیائی کے جملے کسے جاتے ہیں اور عورتیں کس قدر بے چینی محسوس کرتی ہیں اور اگر عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر ، بھائی ، باپ بھی ساتھ ہوتے ہیں تو ان کو بھی خون کے گھونٹ پیتے دیکھا ہے ۔ کیا یہ کرب ملازمت چھوڑ دینے کے لئے کافی نہیں ہے لیجئے سفر طے ہوگیا ۔ اسکول ۔ کالج ۔ آفس ۔ اسپتال ۔ فیکٹری میں عورتیں پہنچ گئیں لیکن یہاں بھی سکون نہیں ہے اگر عورت حیا کا ساتھ نہیں چھوڑتی تو اس کو ہر طرف للچائی ہوئی آنکھوں کے انگارے دکھائی دیتے ہیں ۔ انگاروں کے درمیان زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی ہے یہ بات سب جانتے ہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ بے حیائی اختیار کرلی

تو ذہن کا بوجھ وقتی طور پر تو ہو جائے گا لیکن بے حیائی کے رشتے میں جڑے ہوئے دوست گناہوں کے اس سمندر میں کھینچ لے جاتے ہیں جہاں کنارہ ملتا ہی نہیں ہے ۔

ڈیوٹی کا وقت ختم ہوا گھروں کو واپسی ہوئی ۔ ڈیوٹی ۔ آنا ۔ جانا تھکانے کے لئے کافی ہے اب تھکی عورت گھر کیا دیکھے عزیزوں ۔ بچوں کی خبر کیا لے ۔ خود نوکری کرے ملازم یا ملازمہ رکھے یا نہ رکھے اگر نہ رکھے تو کام کیسے چلے اگر رکھے تو ملازمت کا سارا فائدہ ملازم کی تنخواہ اور اس کی چوری کے ذریعہ نہ صرف ختم ہو جاتا ہے بلکہ ملازم وہ پیر ہے جو گھر سے بھی کچھ لے جاتا ہے ۔

ملازمت کرنے والی عورت کو بھی بہر حال دوسری عورتوں کی طرح بیوی اور ماں کے مراحل سے گذرنا ہوتا ہے ۔ حمل و رضاعت کے فرائض بھی دیتا ہوتے ہیں نسوانی زندگی فطری کلفتوں سے بھی گذرنا ہوتا ہے یہ تمام مراحل فرصت چاہتے ہیں، راحت کے مواقع چاہتے ہیں ۔ خلوت اور تنہائی کا تقاضہ کرتے ہیں مگر ملازمت کہاں موقع دیتی ہے ۔

یہ چند اشارے ہیں ان نقصانات اور تکلیفوں کی طرف جو عورتوں کی ملازمت سے پیدا ہوتے ہیں البتہ جو مجبور مگر ملازمت کے لئے اپنے کو مجبور پاتے ہیں ان کے ملازمت کا بدل وہ گھریلو صنعتیں بن سکتی ہیں جن کو حکومت ہند فروغ دینا چاہتی ہے ۔ اور جن کو اپنانے کی دعوت پیغمبر نسائیات جناب فاطمہؑ گھر میں اجرت پر اون کات کر دے چکی ہیں اگر ملازمت کرنا ہے تو اپنے محلہ میں ایسے کارخانہ اور اسکول کھولے جس میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں اور وہ بھی سب پردہ میں ہوں ۔

اگر ہم حکومت سے مطالبہ کریں تو مجبور ہو کر حکومت ایسے اسکول۔ کالج۔ اسپتال۔ کارخانہ وغیرہ قائم کر سکتی ہے جہاں مردوں کا سایہ بھی نہ پہنچتا ہو مگر ہم مطالبہ تو کریں اور اپنے کو رواج کے حوالے نہ کریں، ترقی پسندی کے بھوت سے نجات پائیں۔ باعفت عورتوں سے اور ان کے شریف وغیرت دار مردوں سے استدعا ہے کہ سب کر و مگر عورتوں کو ملازمت سے بچاؤ۔

غلامی، آزادی، آوارگی

سنا ہے کہ کبھی بلی چوہے سے کھیلتی ہے۔ اور چوہا مزے میں آکر موت کو بھول جاتا ہے۔ مگر بلی۔ بلی ہے چوہا۔ چوہا ہے۔ بلی چوہے کو کھائے گی۔ بہرحال کھائے گی چاہے کھیل کے بعد کھائے یعنی دوستی کو دشمنی کا ذریعہ بنائے چاہے دیکھتے ہی جھپٹ پڑے یعنی دشمنی میں مکاری کی آمیزش نہ کرے۔ اسی طرح آج کے نیم برشت دانشور فلاسفر۔ شاعر۔ مقرر۔ صاحبان فکر وسخن لفظوں کے ذریعہ نعروں کے ذریعہ۔ تراشے خراشے جملوں کے ذریعہ عوام سے کھیلتے ہیں۔ ان کے خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے یقینوں کو شکوک میں تبدیل کردیتے ہیں ان کے عقیدوں کو فاسد کردیتے ہیں۔ غرضکہ ذہنی سکون کو دماغی الجھنوں میں تبدیل کردیتے ہیں یعنی علم وفلسفہ اور تحقیق وفکر کے نام پر بلی چوہے کا کھیل جاری ہے۔ یہاں چوہے ماننے والے۔ پرستار۔ عقیدتمند حامی۔ فالورس کہلاتے ہیں۔ مگر فکر وسخن کے نام پر شکار کھیلنے والوں کو بلی کہنا ممکن نہیں ہے۔ عوام کو فریب دینا جرم ہے مگر شراب بنانے کی طرح یعنی جن کو حکومت نے لائسنس دیدیا ہے ان کو شراب بنانے۔ بیچنے۔ پینے۔ پلانے سب باتوں کا حق ہے ان کا کوئی کام جرم نہیں ہے البتہ جن کے پاس لائسنس نہیں ہے وہ مجرم ہیں۔

نیتا۔ لیڈر چاہے اقتدار میں ہو یا حزب مخالف میں ہو ان کے پاس

عوام کو دھوکہ دینے کا لائسنس موجود ہے وہ ہر جھوٹ بول سکتے ہیں ہر مکاری کر سکتے ہیں۔ ہر فریب دہی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ان کا نیتائی حق ہے اور نیتا ہونا ان کا پیدائشی حق ہے۔ ان کے علاوہ ہر جعلساز قابل مذمت ہے۔ عوام کو دھوکہ دینے کا لائسنس اب ہر صاحب فکر وسخن کو بھی حاصل ہو گیا ہے۔ اچھا شعر کہنا۔ اچھا مضمون لکھنا۔ اچھی باتیں کر لینا سماج میں نہایت درجہ باعزت جگہ حاصل کرنے لینے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد صد درجہ گھناؤنی بدکار و بدکردار زندگی بسر کرنے کے بعد بھی جو سماجی عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ دانشور ہونے کے بعد جو چاہیں کہیں جو چاہیں کریں ہر طرح کی چھوٹ حاصل ہے۔ اور عقیدت مند مکھیوں کی طرح غلاظتوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ جب عوام میں مقبولیت کمال کا معیار بن جائے تو بلّی چوہے کے اس کھیل کو کون روک سکتا ہے اور چوہوں کو کون بچا سکتا ہے۔ البتہ اگر آدمی اپنے خانہ میں رہے یعنی چوہا بل میں رہے تب ہی وہ محفوظ رہ سکتا ہے۔

آزادی کے لفظ کے ذریعہ عوام کو صاحبان فکر وسخن نے جس قدر گمراہ کیا ہے اور ان کے متاع عقیدہ وعمل کو جس طرح نذر آتش کیا ہے۔ شاید کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ایسا غیر منصفانہ سلوک نہیں کیا جا سکا۔ ہر آوارگی کو آزادی کا لفظ دیدیا گیا اور ہر اخلاقی بات کو غلامی کا نام دیدیا گیا۔ مگر بھیڑ میں بھی آدمی اپنے راستہ ہی پر چلتا ہے۔ بھیڑ کی وجہ سے راستہ نہیں بدل دیتا ہے اپنی منزل کی طرف جاتا ہے۔ اپنے گھر ہی پہنچتا ہے۔ بھیڑ کے ساتھ نہیں چل پڑتا ہے۔ بلکہ رک رک کر سہی بھیڑ کو چیر کر راستہ بناتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کو پوری قوت کے ساتھ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ ہر سکنڈ پر ایک کی خبر گیری کرتا ہے کہ کوئی کھو نہ جائے کوئی چھوٹ نہ جائے۔ کوئی کچل نہ جائے۔ اور جب سب مل کر ایک دوسرے

کا ساتھ دیتے ہیں تو بھیڑ میں راستہ بہ آسانی بن جاتا ہے اور سب ایک ساتھ اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں ۔

آج دانشوروں ۔ صاحبان فکر و سخن کی زبردست بھیڑ ہے اس بھیڑ سے اپنے کو اور اپنے کنبہ کو اپنی قوم کو نکال کر دینی زندگی کے راستہ پر چلنا اور چلانا قلب و دماغ کو سکون تک پہنچانا تاکہ ابدی راحت یعنی جنت تک ہم سب پہنچ سکیں ہم سب کا انفرادی اور اجتماعی فرض ہے جو باہمی تعاون کے ساتھ سعی مسلسل کے بعد حاصل ہو سکتا ہے ۔

حقوق اور فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ اپنے فرائض پورے طور پر انجام دے اور دوسروں کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کرے ۔ ضرورت ہے ایسے نظام کی جو ادا ء فرائض میں کوتاہی نہ کرنے دے اور حق تلفی نہ دے ۔ جب حقوق سلب کر لئے جائیں اور فرائض لاد دیے جائیں تو اس کا نام غلامی ہے ۔ جب فرائض یکسر بھلا دیے جائیں اور حقوق کے نام پر لوٹ مچادی جائے تو اس کا نام آوارگی ہے جب حقوق ملیں فرائض ادا ہوں تو اس کا نام آزادی ہے ۔ لیکن آج حقوق کی ادائگی کو غلامی کہا جاتا ہے خالق ۔ والدین ۔ اقارب کے حقوق کی ادائگی کے احکام مذہب کو غلامی کا نام دیا جاتا ہے ۔ ادائگی حقوق کی راہ میں ہونے والی تکلیف کو برداشت کرنے کی تلقین کو غلامی کی دعوت کہا جاتا ہے ۔ شریعت ۔ اخلاقیات عقلیات کی حدوں کو پھلانگ جانے کا نام آزادی قرار دیا جاتا ہے ۔ اسلام غلامی کا مخالف ہے صرف غیر کی غلامی کا مخالف نہیں ہے بلکہ اپنی غلامی کا بھی مخالف ہے ۔ نفس ۔ ہوس ۔ حرص ۔ غضب ۔ عادت سب کی غلامی سے روکتا ہے ۔ سوسائٹی ۔ سماج ۔ فیشن ۔ رو اسم کی غلامی سے بھی منع کرتا ہے ۔

غیر ذمہ دارانہ زندگی سے بھی روکتا ہے ۔ خالق سے مخلوق تک جس سے بھی زندگی کی کوئی وابستگی پیدا ہو جائے چاہے وہ جانور کیوں نہ ہو اس کے حقوق کی رعایت کا حکم دیتا ہے ۔ اور ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے والے کو مسلم قرار دیتا ہے ۔ ذمہ داریاں معین کرنا صرف خدا کا حق قرار دیتا ہے اور خدا اپنی شان کے مطابق انعام دینے کا وعدہ کرتا ہے ۔

لہٰذا دانشوروں کی آزادی سے بچئے ۔ اور اسلام کی دی ہوئی آزادی کے مطابق زندگی بسر کیجئے ۔ آزادی کے نام پر آوارگی سے معاشرہ کو بچائے اور اسلامی قوانین کے مطابق ذمہ داری محسوس کرنے والا معاشرہ تعمیر کرنے میں لگ جائے ۔ آزادی کے نام پر خواہشات کے غلام نہ بنئے بلکہ صرف احکام خدا کے سامنے جھکئے اور ہر غیر الٰہی حکم کی غلامی ہرگز قبول نہ کیجئے ۔ ٹھوکر پر ٹھوکر کھانے والی دانشوری سے دور بھاگئے اور معصوم رہبری کی قیادت میں زندگی بسر کیجئے اور یاد رکھئے ہماری عقلیں ناقص ہیں اور مذہب کا بھیجنے والا خدا جن بے شمار مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اس میں سے ایک حقیر مخلوق کا نام عقل ہے ۔ لہٰذا حقیر کو عظیم کے مقابلہ پر نہ لائیے بلکہ حقیر کو عظیم کا خادم بنائے ۔ عقل معبود مذہب نہیں ہے بلکہ خادم مذہب ہے ۔ اور خالق معبود مذہب ہے ۔

میز نہیں میدان

مریض ۔ طبیب ۔ تیمار دار ۔ بیمار ۔ بیمار کے اعزا اور مزاج پرسی کے لئے آنے جانے والے ۔ بیمار کے لئے تحفہ لانے والے غرضکہ جب بیمار سے متعلق ہر شخص کی روش درست ہوتی ہے تو بیماری جلد دور ہوتی ہے ۔ طبیب کی زحمتیں کم ہوجاتی ہیں بیمار بھی مرض سے جلد نپٹ لیتا ہے لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی روش غلط ہوتی ہے تو فائدہ صرف بیماری کو ہوتا ہے اور باقی سب نقصان میں رہتے ہیں ۔ مریض ضدی ہو ۔ طبیب بے پرواہ ہو تیمار دار اپنے فرائض سے غافل ہو ۔ اعزا ۔ ڈاکٹر اور حکیم سے بحثم بحثا کرتے ہوں ۔ تو مریض کی شفایابی میں دیر لگے گی بلکہ مریض کے خاتمہ ہی پر مرض ختم ہوگا ۔ یہ بات سب کی سمجھ میں آجاتی ہے ۔ موٹی عقل والے بھی ان نکتوں کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں ۔ البتہ ایک باریک اور ذہین غلطی ایسی ہوتی ہے جس کی طرف سب متوجہ نہیں ہوتے ۔ مگر اس غلطی سے مہلک نقصان ہوتے ہیں ۔ اس غلطی کی تفصیل یہ ہے کہ مریض سے ملنے جلنے والوں میں کچھ "نیم حکیم" ہوتے ہیں ۔ یہ پیشہ ور نیم حکیم نہیں ہوتے ہیں ۔ نہ ان کا مطب ہوتا ہے نہ یہ پریکٹس کرتے ہیں ۔ بلکہ یہ معالج کے بارے میں ۔ دواؤں کے بارے میں ۔ غذاؤں کے بارے میں مفت مشورے دیتے ہیں ۔ یہ پیشہ ور نہیں بلکہ پیدائشی مشیر ہوتے ہیں ۔ یہ مریض کے پاس نہ اٹھنے کی نیت سے بیٹھیں گے ۔ اور اتنے معالجوں کے نام

پیش کردیں گے کہ ان کی فہرست یاد کرنا مشکل ہو جاتے ۔ اتنی دواؤں کے استعمال کے مشورے دیدیں گے کہ سننے والے ۔ قوت فیصلہ و قوت حافظہ تو درکنار ۔ قوت سماعت بھی کھو بیٹھیں گے غذاؤں پر اتنے متضاد تبصرے سنا دیں گے کہ کھایا ہوا زہر معلوم ہونے لگے گا اور ان کی شوق دلانے والی تقریر کے نتیجے میں مریض زہریلی غذا کے لئے بیتاب ہو جائے گا ۔ یہ مشیر بڑی پابندی سے آئیں گے ۔ روز اپنے ساتھ لٹریچر کی نئی فائل لائیں گے ۔ مریض کو ' دوراہے ، کے دوراہے پر کھڑا کر دیں گے ۔ گھر میں معالج ۔ دوا ۔ غذا کے بارے میں پارٹیاں پیدا کر دیں گے ۔ کچھ ان کو دیکھ کر اپنا اور ان کا سر پھوڑنے پر تیار نظر آئیں گے کچھ ان کے لئے اتنا بچھتے چلے جائیں گے کہ ڈاکٹر اور مریض کی خاطر مدارات کے بجائے صرف مشیر صاحب کی خاطر مدارات ہو گی ۔ غرضکہ علاج ملتوی رہے گا ۔ دوائیں مشکوک قرار پا جائیں گی لہٰذا رکھی رہیں گی ۔ پکا کھانا مضر قرار پاجائے گا اور مفید کھانے کی تیاری میں اتنی دیر لگے گی کہ مریض اپنے اور گھر والوں کو کھانے پر تیار ہو جائے گا ۔ مریض تڑپتا رہے گا مگر علاج بند رہے گا اور بحثیں جاری رہیں گی ۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ مریض کو اور اس کے گھر والوں کو ان خدائی خوار مشیروں سے بچایا جائے ورنہ مریض کا خدا حافظ ۔

یہ تمہید اس گذارش کے لئے تھی کہ یقینی طور پر ہماری قوم ۔ ہمارا سماج ہماری تہذیب بیمار ہے ۔ اس کو غربت ۔ جہالت ۔ بے دینی ۔ اور فضول رسموں کی پابندی کی بیماری ہے ۔ کسی کو صرف ایک بیماری ہے کسی کو دو بیماریاں ہیں کوئی تمام بیماریوں میں مبتلا ہے ۔ عوام ۔ خواص ۔ عورت ۔ مرد ۔ تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ۔ کم سن اور بوڑھے ، علماء ، مقرر ، شاعر ، دانشور سب کچھ نہ کچھ بیمار

ہیں ۔ بعض کو بیماری کا احساس نہیں ہے بلکہ وہ ورم کو فربہی سمجھ رہے ہیں ۔ کچھ بیماری کو معمولی سمجھ رہے ہیں حالانکہ بیماری کینسر سے کم نہیں ہے ۔ کچھ کو بیمار ہونے کے بجائے معالج ہونے کی غلط فہمی ہو گئی ہے لہذا وہ نہ صرف اپنی بیماری میں اضافہ کر رہے ہیں بلکہ پوری قوم کے لئے دردِ سر بنے ہوئے ہیں ۔ ہمارے اکثر ادارے ۔ انجمنیں کونسلیں ۔ کانفرنسیں ۔ فیڈریشن 'قومی درد سر' ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ۔ جلسے شاندار ۔ تقریریں دھواں دھار ۔ کمیٹیاں بے شمار ۔ اختلافات کی بہار ۔ ہر گلے میں ہار ۔ ریزولیوشن انقلابی ۔ لیکن عمل مفقود ۔ فنڈ زیرو ۔ رضاکار معدوم ۔ کارروائی ہوائی ۔ تجاویز ردی کی ٹوکری میں اور بیماریاں اپنی جگہ پر ۔

لہذا ضرورت ہے کہ قوم کو ان مشیروں سے بچایا جائے ۔ ہر انفرادی اور اجتماعی بیماری کا واحد علاج ہے 'پابندی شریعت' شریعت صرف چند پابندیاں عائد نہیں کرتی ہے ۔ بلکہ فرد کو اپنے لئے اور خاندان و قوم کے لئے باعمل رہنے کو واجب قرار دیتی ہے ۔

بنگاہ شریعت میں اگر حرام کمانا گناہ ہے تو عیال کے لئے روزی کمانا واجب ہے ۔ ظالم کی مدد کرنا حرام ہے تو مظلوم کی حفاظت کے لئے جسم کو قوی بنانا ۔ قوم کو خوش حال بنانا ۔ افراد کو علم و ہنر سے بہرہ مند بنانا ۔ ملک کو سائنسی ۔ صنعتی ۔ زراعتی ۔ تجارتی طور پر مضبوط بنانا واجب ہے ۔

ہم جب کبھی اپنی کسی کمزوری کا تجزیہ کریں گے تو آخر میں یہ حقیقت ہمارے سامنے آئے گی کہ ہم نے کسی نہ کسی حکم خدا سے انحراف کیا ہے ۔ کسی نہ کسی ارشاد نبیؐ و امامؑ کی ضرور مخالفت کی ہوگی ۔ اور یہ بھی یاد

رکھنا چاہئے کہ تدبیر کی کامیابی کے لئے خدا معصومین علیہم السلام کی غیبی تائید بھی درکار ہے لہذا خرابیوں کو دور کرنے کے لئے بھی اور خوبیوں کو پیدا کرنے کے لئے بھی شریعت کی پابندی ضروری ہے۔ پابندی شریعت کے لئے شریعت سے واقفیت ضروری ہے احکام شریعت سے عملی عقیدت ضروری ہے۔ جب ہر فرد حدود شریعت میں اپنے فرائض ادا کرے گا تو قوم میں ہر رخ پر نئی زندگی نظر آئے گی۔ مگر یہ مقصد میز کے گرد بیٹھ کر گفتگو کرنے سے حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے ہر شخص کو میدان عمل میں اترنا ہوگا۔ گھر۔ مسجد۔ اسکول۔ دفتر۔ بازار۔ کھیت۔ کارخانہ غرضکہ جہاں بھی زندگی پلتی ہے یا چلتی پھرتی ہے۔ ایسی ہر جگہ ہم کو دینی رہبری اور روحانی قیادت میں دنیاوی جدوجہد کرنا ہوگی۔ آئیے ہم آپ بہت دن سوچ چکے اب کچھ کر گذرنے کی نیت سے اٹھ کھڑے ہوں۔ کامیابی دینے والا خدا ہے۔ مدد کرنے والے نبیؐ و امامؑ ہیں۔ خالص جذبہ اور کڑی محنت ہمارا اور آپ کا فریضہ ہے۔

بانی تنظیم خطیب اعظم

مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

TANZEEMUL MAKATIB
GOLAGANJ, LUCKNOW 226018 UP (INDIA)
Tele fax: +91 522 2615115, 2628923, 2618194
Email: makatib.makatib@gmail.com
makatib@makatib.net
Visit us on: www.makatib.net